العَطایا النعِیمیّۃ فِی الفَتاوی النُّورِیّۃ

اہل سنت کا نشان
ماہنامہ بقیع کراچی
APRIL 2026
مفت سلسلہ اشاعت نمبر 382
Regd. # MC-1177

فتاویٰ عطائے اہل سنّت

(چوتھا حصّہ)

مُصنّف
شیخ الحدیث ڈاکٹر مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ
(شیخ الحدیث جامعۃ النور و رئیس دار الإفتاء النور)

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان
Ph : 021-32439799 Website : www.ishaateislam.net
نور مسجد کاغذی بازار کراچی ۷۴۰۰۰

العَطَايَا النعِيميَّة فِي الفَتاوی النُّوْرِية

فتاوی عطائے اہل سنت

(چوتھا حصہ)

مُصنّف

شیخ الحدیث ڈاکٹر مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مد ظلہ

(شیخ الحدیث جامعۃ النّور ورئیس دار الإفتاء النّور)

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد کاغذی بازار کراچی ۷۴۰۰۰

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب	:	العَطایَا النعِیمیَّۃ فِي الفَتاوی النُّوْرِیۃ
		فتاویٰ عطائے اہل سنت (چوتھا حصہ)
سن اشاعت	:	شوال المکرم ۱۴۴۷ھ / اپریل 2026ء
ناشر	:	جمعیّت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)
		نور مسجد، کاغذی بازار میٹھادر، کراچی
		فون: 021-32439799
خوشخبری	:	یہ رسالہ www.ishaateislam.org پر موجود ہے۔

فہرست

پیش لفظ .... - 1 -
غیر ضروری بال صاف کر کے غسل کا حکم .... - 9 -
امام دوسری منزل پر ہو تو اقتداء کا حکم .... - 11 -
وطنِ اصلی صرف وطنِ اصلی سے باطل ہوتا ہے .... - 15 -
اذانِ فجر کے بعد کھانے پینے سے روزے کا حکم .... - 22 -
زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے .... - 26 -
زکوٰۃ کا حیلہ کب دُرست ہے؟ .... - 29 -
شرعی فقیر کو یکمشت زکوٰۃ کی رقم نصاب کے برابر .... - 32 -
یا اُس سے زیادہ دینے کا حکم .... - 32 -
جہیز، بَری اور زیورات کی ملکیت کا حکم .... - 38 -
دوسری شادی کرنا مانعِ ارث نہیں ہے .... - 40 -
فون پر یا آن لائن نکاح کرنے کا حکم .... - 43 -
عیسائی مرد سے نکاح کا حکم .... - 55 -
خُلع میں عورت کا قبول کرنا ضروری ہے .... - 61 -
بیوی کی خواہش پر طلاق دینے کا حکم .... - 65 -
طلاقِ ثلاثہ کے حوالہ سے ایک اہم فتویٰ .... - 69 -
خُلع اور طلاق سے قبل عورت سے نکاح کا حکم .... - 76 -
شرابی کا ڈرانے کی نیّت سے بیوی کا نام لئے بغیر طلاق دینا .... - 86 -

مقروض کو کہے بغیر قرض ادا کرنے کا حکم .... - 94 -
غیر مملوکہ چیز کو بیچنے کا حکم .... - 98 -
زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کا حکم اور طریقہ .... - 100 -
تین بیٹوں اور ایک بیٹی میں تقسیمِ ترکہ .... - 110 -
اُستاد کا بلند مقام پر بیٹھ کر پڑھانے کا حکم .... - 111 -
ماخذ و مراجع .... - 114 -

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان
اشداء علی الکفار رحماء بینھم

پیش لفظ

نحمدہ و نصلّی ونسلّم علی رسولِہ الکریم ﷺ

اللہ عزّوجلّ کے فرمان " یَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ ؕ " (1) (ترجمہ کنزالایمان: اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمھیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے) پر غور کیا جائے تو اس سے فتویٰ کی تاریخی حیثیت اور شرعی اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے کہ حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان اجمعین نے جب حضور سیّد الکونین ﷺ سے کلالہ عورت کی میراث کے بارے میں دریافت کیا، تو یہیں سے ثُبوتِ استفتاء مِل گیا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا استفتاء سے مقصود حضور اکرم ﷺ سے کلالہ کی میراث کے متعلّق فتوٰی لینا تھا گویا فتوٰی اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ سے آیا، جس سے فتوٰی کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔رسول کریم ﷺ اپنی ظاہری حیات میں یہ فریضہ خود انجام دیتے تھے بلکہ اس کی مثالیں کُتُب احادیث میں موجود ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا، آپ نے جواب ارشاد فرمایا۔

جبکہ کارِ افتاء آسان نہیں بلکہ بہت مشکل ہے کہ ایک مُفتی کو فتویٰ دینے سے قبل کئی پہلوؤں کو مدِ نظر رکھنا ہوتا ہے اور یہی صواب کے متقاضی ہے مگر المیہ یہ ہے کہ آج کل فتویٰ نویسی کو آسان سمجھتے ہوئے فتاویٰ کی بھرمار ہے، جس کے نتیجے میں غلط مسئلہ بھی بیان ہو جاتا ہے حالانکہ اِس کا وبال اُسی شخص کے سَر ہو گا، جس نے بغیر علم کے مسئلہ بیان کیا چنانچہ حدیث مبارک ہے:"مَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ

---

(1) النساء: ٤/١٧٦

إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ" ❶

یعنی، جسے بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ اس پر ہو گا جس نے اُسے فتویٰ دیا۔

اور ایک روایت میں ہے: "مَنْ أَفْتَى بِغَيْرِ عِلْمٍ لَعَنَتْهُ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ" ❷

یعنی، جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا تو زمین و آسمان کے فرشتے اُس پر لعنت کرتے ہیں۔

مگر شریعت نے ہماری رہنمائی بھی فرمائی ہے کہ کن لوگوں سے فتویٰ پُوچھا جائے جیساکہ قرآن کریم، احادیثِ صحیحہ، صحابہ و تابعین اور فقہاءِ عظام کے تعامُل سے ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ عزّوجلّ کا فرمان ہے: فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ❸

ترجمہ: تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔ (کنزالایمان)

اور بلاشُبہ عصرِ حاضر وہ علم والی شخصیت پیرِ طریقت، فقیہ العصر، شیخ الحدیث مفتی محمد احمد نعیمی مدظلّہ العالی کے ممتاز شاگرد شیخ الحدیث جامعۃ النور، سربراہ

---

❶ سُنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب التوقّي في الفتيا، رقم الحديث: ٣٦٥٧، ٤/ ٤٥، المستدرك للحاكم، كتاب العلم، باب من أفتى الناس بغير علم إلخ، رقم الحديث: ٤٤٧، ١/ ٣٣٣

❷ تاريخ دمشق، حرف الميم، محمد بن اسحاق بن إسماعيل إلخ، رقم الحديث: ٦٠٧٧، ٥٢/ ٢٠

كنز العمال، كتاب العلم، الباب الثاني في آفات العلم ووعيد إلخ، رقم الحديث: ٢٩٠١٤، ٥/ ٨٣

❸ النحل: ١٦/ ٤٣

دارالافتاء النّور ہمارے استاد ڈاکٹر مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی زِید علمُہٗ وشرفُہٗ ہیں، جو تیس سال سے زائد عرصے سے مسندِ افتاء پر متمکن ہیں۔ آپ عظیم عالم ومفتی ہیں۔ آپ کے فتاویٰ عوام وخواص میں بے حد مقبول ہیں۔ علماء آپ کے فتاویٰ کو ترجیحی نظر سے دیکھتے ہیں، خصوصاً حج وعمرہ کی بابت آپ کے تحریر شُدہ فتاویٰ علماء کرام کے مابین سند کی حیثیت رکھتے ہیں جس کے ہنوز بائیس حصے شائع ہوچکے ہیں۔ آپ ایک مستند مفتی ہی نہیں بلکہ مفتی گر ہیں۔ تقریباً چھبیس سال کے عرصے سے آپ جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان) سے منسلک ہیں۔ آپ نے یہاں رہ کر جہاں جامعۃ النّور میں درسِ حدیث خصوصاً صحیح البخاری کا درس دیا اور وہیں بانیان وارا کین جمعیت اشاعت اہلسنّت کی خواہش ومشورے سے "دارالافتاء النّور" کی بنیاد رکھی جہاں آپ ایک عرصے تک تنہا فتویٰ نویسی فرماتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ علماء کرام کو فتویٰ نویسی کی تربیت بھی کرتے رہے، پھر "تخصُّص فی الفقہ" کی کلاسز کا آغاز کروایا جس میں چند اسباق خود بھی پڑھاتے رہے۔ ساتھ ہی ساتھ مُتَخصِّصِین کی تربیت کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور ایک عرصے کی تدریب کے بعد کچھ کو اجازتِ افتاء کی سند جاری فرمائی جنہیں آپ نے سندِ اجازتِ اِفتاء جاری فرمائی اُن میں سے مندرجہ ذیل مفتیانِ کرام آج بھی فتویٰ نویسی سے منسلک ہیں۔

(۱) مفتی فرحان صاحب (۲) مفتی جنید صاحب (۳) مفتی شہزاد صاحب (۴) مفتی مہتاب صاحب (۵) مفتی راجا کاشف صاحب (۶) مفتی ابو ثوبان کاشف صاحب (۷) مفتی محمد قاسم صاحب (انڈیا) (۸) مفتی محمد جلال الدین صاحب (۹) مفتی عمران مدنی صاحب (۱۰) مفتی عرفان مدنی صاحب (۱۱) مفتی عبداللہ فہیمی

صاحب (۱۲) شیخ الحدیث مفتی شکیل صاحب (۱۳) مفتی عبدالرحمن صاحب (۱۴) مفتی سجاد صاحب (۱۵) مفتی عبید رضا صاحب (۱۶) مفتی آصف صاحب۔

اور یہ مفتیانِ کرام اپنے اُستاد کے منہج پر فتویٰ تحریر کرتے ہیں باوجود اس کے کہ انہیں آپ نے فتویٰ نویسی کی اجازت دی ہے مگر یہ اپنے فتاویٰ تصدیق کے لئے آج بھی اپنے استادِ محترم کو پیش کرتے ہیں اور دیگر متعدّد مُتَخصِّصِین بھی آپ کی زیرِ سرپرستی فتاویٰ تحریر کرتے ہیں۔ ایک عرصہ تک مفتی صاحب قبلہ کے فتاویٰ کا مجموعہ سوائے "فتاویٰ حج وعمرہ" کے شائع نہ ہوا مگر کچھ ماہ قبل بانی جمعیت اشاعت اہلسنّت اور اراکین دارالافتاء النّور خصوصاً مفتی جنید صاحب اور مفتی شہزاد صاحب کی خواہش اور کوشش سے آپ کے فتاویٰ کے تین حصّے شائع ہو چکے ہیں اور اب چوتھا شائع ہو رہا ہے اور ان شاء اللہ اس کے بعد بھی کئی حصے شائع ہوں گے۔ اللہ کریم استادِ محترم قبلہ مفتی صاحب کو سعادتِ دارین عطا فرمائے اور اُن کا سایہ ہم پر تادیر قائم ودائم فرمائے۔ آمین

سیّد منیز عطاری نعیمی

المتخصّص فی الفقه الإسلامی بدار الإفتا النّور
جمعية إشاعة أهل السنّة، باكستان

غیر ضروری بال صاف کرکے غسل کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ میں کہ کیا موئے زیرِناف یابغل کے بال صاف کرنے سے غسل فرض ہوجاتا ہے، اگر نہیں توکیااِن افعال کے بعد بلاغسل نمازیا قرآنِ کریم پڑھ سکتے ہیں؟

(سائل:عاقب ابنِ سلیم، کراچی)

باسمه تعالیٰ وتقدّس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں غسل فرض نہیں ہوتا کیونکہ یہ فرضیتِ غسل کے اسباب سے نہیں ہے۔

چنانچہ علّامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

الغُسل المَفروض فثلاثةٌ: الغسلُ مِن الجنابة والحَيض والنّفاس. ❶

یعنی، تین چیزوں سے غُسل فرض ہوتا ہے:(۱)جنابت(۲) حیض اور (۳) نفاس۔

اوراِسی کوبیان کرتے ہوئے علّامہ ابوالقاسم محمد بن یوسف سمرقندی حنفی متوفی ۵۵٦ھ لکھتے ہیں:للمَعانی الموجبة للغُسل إنزال المنی علیٰ وجه الدفق والشّهوة من الرَّجُل والمرأة حالة النّوم واليَقظة...و التقاءالختانَين من غيرإنزَال...والحيض...وكَذاالنّفاس.❷

یعنی،وہ چیزیں جو غُسل کوواجب کرتی ہیں:وہ منی کامرد یاعورت سے نیند

❶ بدائع الصنائع،كتاب الطّهارة،فصل فی أحكام الغسل،۱/۲۷۳

❷ الفقه النافع،كتاب الطهارة،فصل : المعانی الموجبة للغسل،۱/ ۲۳۵ إلیٰ ۲٤٤

یا بیداری کی حالت میں اُچھل کر اور شہوت سے نکلنا اور دونوں شرمگاہوں کا بغیر اِنزال کے ملنا (یعنی داخل ہونا)، حیض اور نفاس۔

لہٰذا موئے زیرِ ناف یا بغل کے بال صاف کرکے بغیر غسل کئے بھی نماز و قرآن پڑھ سکتے ہیں جب کہ پہلے سے باوُضو ہو اور غسل فرض ہونے کا کوئی سبب نہ پایا گیا ہو اور اگر پہلے سے وُضو نہیں تھا، تو اب نماز اور قرآن چھونے کے لئے وُضو کرنا ضروری ہو گا اِسی طرح جنبی اور حائضہ نہ ہونا بھی ضروری ہے۔

چنانچہ علّامہ ابو القاسم سمرقندی اور علّامہ حافظ الدین عبد اللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں: (وَلا يجوز للمُحدِث مسّ المصحف) ذكر حُكم المحْدث وَلم يذكر حكم الحائض والجنب معَ أنّ الموضع لِبيان أحكَام الحائضِ ليُعلم حكمهما بطريقِ الدّلالة لأنّ الحدَث لما كان مانعاًمع أنه أدنىٰ لأيكونا مانعَين أولىٰ و لأنّ حكمهماقدعُلم منَ المسألة السّابِقة إذحكم القرَاءة أخفّ مِن حكم المسّ فلمّالم تجُزلهماالقِراءةمعَ أنهاأدنىٰ الأمرَين لأن لا يجوز المسّ مَع أنه أقوىٰ الأمرين أولىٰ وَأحرىٰ. (1)

یعنی اور بے وُضو کے لئے مصحف کو چھونا جائز نہیں ہے، "بے وُضو" کا ذِکر کیا اور "حائضہ" اور "جنبی" کا ذِکر نہ کیا باوُجود یہ کہ یہ مقام حائضہ کے احکام کو بیان کرنے کا ہے، اِس کی وجہ یہ ہے کہ حائضہ اور جنبی کا حکم بطریقِ دلالت جان لیا جائے؛ کیونکہ بے وُضوئی، ادنیٰ ہونے کے باوُجود (قرآن چھونے سے) مانع ہے، تو حائضہ

---

(1) الفقه النافع مع شرحه المستصفى،كتاب الطهارة،باب الحيض، ٣٦٦،٣٦٥

اور جُنبی بطریقِ اَولیٰ مانع ہوں گے اوران دونوں کا حکم سابقہ مسئلہ سے معلوم ہوگیا؛ کیونکہ قراءت کا حکم، چھونے کے حکم سے خفیف ہے، لہٰذا جب اُن دونوں کے لئے قراءت جائز نہیں ہے باوُجودیہ کہ یہ ادنیٰ ہے، تو چھونا جو کہ زیادہ قوی ہے وہ بھی جائز نہ ہوگا۔

اور علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھاہے: لَا يجوز لَهما وَللجُنب و المحْدث مسُّ المصحَف إلَّا بِغلاف مُتجافٍ عنه.(1)

یعنی، حیض ونفاس والی اور جنبی اور بے وُضو کا مصحف چھونا جائز نہیں ہے مگر اُیسے غلاف کے ساتھ جو اُس سے جُدا ہو۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۵، رجب المرجب، ۱٤۲٤ھ-۲/ ستمبر، ۲۰۰۳م JIA-475

امام دوسری منزل پر ہو تو اقتداء کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ امام صاحب مسجد کی دوسری منزل پر مع مقتدیوں کے نماز پڑھا رہے ہیں اور کچھ لوگ یعنی مقتدی پہلی منزل پر ہیں، کیا اُن کی اقتداء درست ہوگی یا نہیں؟

(سائل: محمد اعجاز احمد ہزاروی، ضلع مانسہرہ، صوبہ سرحد، پاکستان، معرفت حافظ عبد الرحیم، گھانچی پاڑہ، کراچی)

---

(1) الفتاویٰ الهندية، كتاب الطّهارة، الباب السادس فى الدّماء المختصة بالنساء، الفصل الرّابع فى أحكام الحيض والنفاس... إلخ، ١/ ٣٩

باسمہ تعالیٰ و تقدس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں اقتدا درست ہوگی؛کیونکہ فُقہائے کرام نے لکھا ہے امام اگر تنہابلندی یاپستی پر ہو،تو اس کی اقتداء مکروہ ہے البتہ اگر چند مقتدیوں کے ساتھ بلندی پر ہو،باقی نیچے اقتدا کریں تو نیچے والوں کی اقتدادرست ہے اور اِس میں کراہت نہیں ہے۔

چنانچہ علّامہ فخر الدین ابوطالب احمد بن علی ہمدانی ابنِ فصیح کوفی حنفی متوفی ۷۵۵ھ اپنے منظومہ میں لکھتے ہیں: كذا انفرادُه علىٰ الدُّكان: كالعَكس فوقَ قامة الإنسان.❶

یعنی،اِسی طرح امام کا تنہاؤکان میں کھڑے ہونا(مکروہ ہے)جیسا کہ اِس کا عکس انسان کے قد سے زیادہ(مقتدیوں کا)بلند جگہ پر کھڑا ہونا(مکروہ ہے)۔

اور اِس کے تحت علّامہ ضیاءالدین محمد حسینی حنفی لکھتے ہیں: تنہا استادن امام رابرچبوترہ کہ بقدرِ قد آدمی میانہ...وعَکس آن نیزمکروہ است چنانکہ امام جای پست بُود وقوم جای بُلند.❷

یعنی،امام تنہاء کسی درمیانہ قد آدمی کے برابر چبوترے پر کھڑا ہو اور اس کا عکس بھی مکروہ ہے جیسا کہ امام نچلی جگہ پر ہو اور قوم بلند جگہ پر ہو۔

اور علّامہ سیّد محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: قال فی "البحر": قید بالانفراد لأنّه لو كان بعضُ القوم مَع الإمام قیل

---

❶ مُستحسن الطّرائق فی نظم کنزالدّقائق،کتاب الصّلاۃ،باب مایفسد الصّلاۃ ومایُکرہ، ق ۱۳/ ألف،مخطوط مصوّر

❷ معیار الحقائق شرح کنزالدقائق،کتاب الصلاۃ،باب مایفسدالصّلاۃ ومایکرہ،تحت قولہ: بالانفراد...إلخ،۱/ ۸۰،۸۱

يُكره وَ الأصحّ لَا و ظاهرُه أنه لا يكره وَ لو بِلا عذرٍ. ❶

یعنی، "البحر الرّائق" ❷ میں فرمایا کہ صاحب "کنز" ❸ نے اِسے (یعنی امام کے بلندی پر کھڑا ہونے کی کراہت کو) "انفراد" کے ساتھ مقید کیا، اِس لئے کہ اگر امام کے ساتھ چند لوگ ہوں، اِس صُورت کے متعلق کہا گیا کہ مکروہ ہے مگر اصح قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں، اور ظاہر اِس کا یہی ہے کہ (اگر امام کے ساتھ چند لوگ بھی بلندی پر ہوں باقی نیچے ہوں تو) مکروہ نہیں اگرچہ بلا عُذر ہو۔

اور علّامہ عبد القادر رافعی متوفی ۱۳۱۲ھ لکھتے ہیں: و لَو كان معَه بعض لا يحتاجُ لوجُود العذرِ لنفيها على الأصحّ بَل هى منفِيّة بوُجود البَعض معه. ❹

یعنی، اور اگر (امام بلندی پر ہو اور) اُس کے ساتھ چند لوگ ہوں تو اصح قول کے مطابق کراہت کی نفی کے لئے عذر کی ضرورت نہیں بلکہ امام کے ساتھ چند لوگوں کی موجودگی سے کراہت منتفی ہوگئی۔

علاوہ ازیں اگر امام زمین پر ہو یا پہلی منزل پر ہو تو اُن لوگوں کی اقتداء درست ہوتی ہے جو پہلی یا تیسری منزل پر ہوں کیونکہ مسجد جس طرح ساتوں

---

❶ ردّ المحتار على الدّرالمختار، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة و ما يكره فيها، مطلب: إذا تردّد الحكم بين سُنة و بدعة... إلخ، تحت قوله: كما لو كان... إلخ، ۲/ ۵۰۱

❷ البحرالرّائق شرح كنز الدّقائق، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، تحت قوله: انفرادالإمام على الدُّكان، ۲/ ۴۷

❸ كنز الدقائق، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة و ما يكره فيها، ص ۱۷۴

❹ تقريرات الرّافعى على هامش ردّ المحتار، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة و ما يكره فيها، مطلب: إذا تردّد الحكم بين سُنة و بدعة... إلخ، تحت قوله: و مَعه بعض القوم، ۲/ ۵۰۱

آسمانوں تک مسجد ہے اِسی طرح تحت الثریٰ (ساتویں زمین کے نیچے) تک بھی مسجد ہے۔

مسجد چونکہ ساتوں آسمانوں تک مسجد ہے اِسی لئے اُس کی چھت پر بول و براز کو فقہائے کرام نے مکروہِ تحریمی لکھا ہے جیسا کہ علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: و کُرِه تحريماً الوَطءُ فوقَه و البَولُ و التَغوّطُ لأنّه مسجدٌ إلیٰ عَنان السّماء.❶

یعنی، اور مسجد کے اوپر (یعنی چھت پر) وطی، پیشاب اور پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے اِس لئے کہ مسجد عنانِ آسمان تک مسجد ہی ہے۔

اِسی لئے چھت پر نماز پڑھنے والے مقتدیوں کی، نیچے بمعہ مقتدیوں کے نماز پڑھانے والے امام کی اقتداء درست ہے جبکہ وہ امام سے آگے نہ ہوں۔

چنانچہ علّامہ شامی لکھتے ہیں: و قَال الزّيلعی❷: و لهٰذا يصحّ اقتداء منْ على سَطح المسجد بمَن فيه إذَا لم يتقدّم على الإمَام و لا يبطُل الإعتكافُ بالصّعود إلَيه وَ لا يحلّ للجنب و الحَائض و النّفساء الوقُوف عليه.❸

یعنی، اور امام زیلعی نے فرمایا: اِسی وجہ سے چھت پر نماز پڑھنے والوں کا مسجد کے اندر نماز پڑھانے والے امام کی اقتداء کرنا درست ہے جبکہ وہ اُس سے آگے

❶ الدّر المختار، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة و ما يكره فيها، ص٦٥٦
❷ تبيين الحقائق شرح كنزالدقائق، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، تحت قوله: والوطء فوقه، ١ / ٤١٩
❸ ردّ المحتار على الدّرالمختار، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة و ما يكره فيها، مطلب: في أحكام المسجد، تحت قوله لأنّه مسجد، ٢ / ٥١٦-٥١٧

نہ ہوں، اِسی طرح معتکف کا اعتکاف مسجد کی چھت پر جانے سے باطل نہیں ہوتا اور جنبی، حائضہ اور نفاس والی کے لئے مسجد کی چھت پر ٹھہرنا حلال نہیں۔

سب کی علّت یہی ہے کہ مسجد عَنانُ السّماء تک مسجد ہے تو جس طرح مسجد عَنانُ السّماء تک مسجد ہے اِسی طرح مسجد تَحت الثّریٰ تک بھی مسجد ہے جیسا کہ علّامہ شامی حنفی لکھتے ہیں: کَذا إلیٰ تحت الثّریٰ. (1)

یعنی، اِسی طرح تحت الثریٰ تک مسجد ہے۔

اگر مسجد کے عنانُ السّماء تک مسجد ہونے کی وجہ سے اوپر نماز پڑھنے والے مقتدیوں کا نیچے نماز پڑھنے والے امام کی اقتداء کرنا درست ہے تو مسجد کے تَحت الثّریٰ تک مسجد ہونے کی وجہ سے نیچے نماز پڑھنے والے مقتدیوں کا اوپر نماز پڑھانے والے امام کی اقتداء کرنا بھی درست ہو گا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ امام اگر دوسری منزل پر بمعہ مقتدیوں کے نماز پڑھا رہا ہو اور کچھ لوگ پہلی منزل پر ہوں تو پہلی منزل والوں کی اقتداء درست ہو گی بشرطیکہ وہ امام سے آگے نہ ہوں۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الثلاثاء، ۲ رجب المرجب، ۱۴۲۳ھ-۱۰/ سبتمبر، ۲۰۰۲م JIA-311

وطنِ اصلی صرف وطنِ اصلی سے باطل ہوتا ہے

(1) ردّ المحتار علی الدّر المختار، کتاب الصّلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیھا، مطلب: فی أحکام المسجد، تحت قولہ: إلی عنان السماء، ۲/ ۵۱۶-۵۱۷

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص گاؤں میں رہتا تھا وہاں سے بمعہ اہل و عیال نقل مکانی کر کے سینکڑوں میل دُور کسی شہر میں آیا جبکہ اُس کے گاؤں میں اُس کے مکانات اور زمینیں ہیں۔ اب جب بھی اپنے گاؤں جائے تو پوری نماز پڑھے یا قصر کرے؟

(سائل: مولانا محمد مختار اشرفی، سولجر بازار، کراچی)

باسمه تعالیٰ و تقدس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں جب گاؤں کی رہائش چھوڑ کر دوسری جگہ سکونت اختیار کرلی اور بمعہ اہل وعیال رہنے لگا تو اُس جگہ مقیم ہوگیا۔ تو اب دوسری جگہ اُس کا وطنِ اصلی ہے کیونکہ وطنِ اصلی اپنی مثل سے باطل ہوجاتا ہے۔

چنانچہ علّامہ ابو الاخلاص حسن بن عمّار شرنبلالی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں: وَيَبطل الوطنُ الأصليّ بمثلِه فقط. ❶

یعنی، وطنِ اصلی صرف اُس کی مثل سے باطل ہوتا ہے۔

بشرطیکہ پہلی جگہ اُس کے اہل وعیال باقی نہ رہیں۔

چنانچہ علّامہ علاؤالدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: إذا لم يبقَ له بالأوّلِ أهلٌ فلو بقِي لم يبطلْ بل يتمّ فيهما. ❷

یعنی، جب پہلے وطن میں اُس کے اہل باقی نہ ہوں (تو وطنِ اصلی باطل ہوجائے گا)

---

❶ نور الإيضاح، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر، ص ۱۱۰
❷ الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، تحت قوله: الوطن... إلخ، ص ۱۰٤

اور اگر ہوں تو باطل نہ ہو گا بلکہ دونوں جگہ پوری نماز پڑھے گا۔

اور اگر پہلی جگہ سے اُس کے اہل دوسری جگہ منتقل نہ ہوں مگر دوسری جگہ وہ اور شادی کرلے تو اب دونوں جگہ اُس کے وطن قرار پائیں گے اور وہ دونوں جگہ پوری نماز پڑھے گا۔

چنانچہ علّامہ فخر الدین عثمان بن علی زیلعی حنفی متوفی ۷۴۳ھ (1) لکھتے ہیں اور اُن سے نقل کرتے ہوئے علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت (2) نے لکھا ہے: وَيبطل الوطنُ الأصليُّ بالوطنِ الأصليِّ إذا انتقلَ عن الأوّل بأهله وأمّا إذا لم ينتقلْ بأهلِه ولكنّه استَحدث أهلًا ببلدةٍ أخرىٰ فلا يبطلُ وطنه الأوّلُ ويتمّ فيهما.

یعنی، وطنِ اصلی، وطنِ اصلی سے باطل ہو جاتا ہے جب پہلے وطن سے گھر والوں کے ساتھ منتقل ہو جائے اور اگر اپنے گھر والوں کے ساتھ منتقل نہ ہو اور دوسرے شہر میں دوسرا نکاح کرلے تو پہلا وطن باطل نہ ہو گا، دونوں میں پوری نماز پڑھے گا۔

اور وطنِ اصلی کی تعریف بیان کرتے ہوئے علّامہ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ اور علّامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں: (و يبطلُ الوطنُ

---

(1) تبیین الحقائق، کتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر، تحت قوله: و يبطل الوطن الأصلی بمثله لا السفر...إلخ، ۱/ ۵۱۷

(2) الفتاویٰ الهندية، کتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر، ۱/ ۱۴۲

الأصليّ) هو مَوطِن ولادته أوتأهُّله أوتوطّنه (بمثلِه) إذا لم يبق له بالأوّلِ أهلٌ وإن بقى لم يبطُل بل يتمُّ فيهما. ❶

یعنی، وطنِ اصلی، وطنِ اصلی سے باطل ہو جاتا ہے اور وطنِ اصلی وہ ہے جہاں وہ پیدا ہوا یا اُس نے شادی کی یا اُس کی مثل کسی اور جگہ کو وطن بنالے جبکہ پہلے وطن میں اُس کے اہل باقی نہ ہوں اور اگر باقی ہوں تو باطل نہیں ہوتا بلکہ دونوں میں پوری نماز پڑھے گا۔

وطنِ اصلی اپنی مثل سے باطل ہو جاتا ہے اِس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مکّہ مکرمہ میں قصر نماز ادا فرمائی۔

چنانچہ علّامہ حلبی اور علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان کلیبولی شیخی زادہ حنفی متوفی ۱۰۷۸ھ لکھتے ہیں: (ويبطلُ الوطن الأصليّ)وهو البلدةُ أو القريةُ الّتي وُلدَ بها أو تأهّل فيها (بمثلِه) ألا يَرى أنّه عليه الصّلاة والسّلام بعد الهجرةِ عَدَّ نفسَه بمكّة مِن المسافرينَ حتّى قَصَر. ❷

یعنی، وطنِ اصلی، اپنے مثل سے باطل ہو جاتا ہے اور وطنِ اصلی وہ شہر / گاؤں ہے جس میں وہ پیدا ہوا یا شادی کی کیا یہ نہیں دیکھا کہ حضور علیہ الصّلاۃ والسّلام نے ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ میں خود کو مسافر شمار فرمایا کہ نماز میں قصر فرمایا۔

---

❶ الدُّر المنتقى فى شرح الملتقى على على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصّلاة، باب صَلاة المسافر، ۱/ ۲۴۲-۲۴۳

❷ ملتقى الأبحر مع شرحه المجمع الأنهر، كتاب الصّلاة، باب المسافر، ۱/ ۲۴۲.۲۴۳

اور امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوری حنفی متوفی ۴۲۸ھ اور علّامہ عبدالغنی غنیمی میدانی حنفی متوفی ۱۲۹۸ھ لکھتے ہیں: (وَمن کانَ له وطنٌ فانتقلَ عنه و استوطنَ غیرَہ ثُمّ سافرَ فدخلَ وطنه الأوّلَ لم یتمّ الصّلاۃ)من غیرِ نیّۃِ إقامۃٍ؛لأنّه لم یبقَ وطناً له والأصلُ في ذلك أنّ الوطنَ الأصليَّ یبطلُ بمثلِه دون السّفرِ عنه و وطنُ الإقامة یبطلُ بمثلِه وبالسّفرِ عنه قیّدنا الانتقالَ بکلِّ الأهل لأنّه إذا بقِي له فیه أهلٌ لم یبطُل ویصیرُ ذا وطنَین. ❶

یعنی، جس شخص کا کوئی وطن ہو پھر وہ وہاں سے اپنے تمام اہل وعیال سمیت منتقل ہو کر کسی دوسری جگہ کو وطن بنالے پھر سفر کر کے اپنے پہلے وطن جائے جہاں سے منتقل ہوا تھا تو اقامت کی نیت کئے بغیر پوری نماز نہیں پڑھے گا؛ کیونکہ اب وہ اِس کا وطن نہیں رہا۔اِس میں اصل یہ ہے کہ وطنِ اصلی سفر سے نہیں اپنے مثل سے باطل ہوتا ہے اور وطنِ اقامت اپنے مثل سے بھی اور سفر سے بھی باطل ہوتا ہے۔ ہم نے تمام اہل وعیال کے ساتھ منتقل ہونے کی قید لگائی کیونکہ جب وطن میں اُس کی کوئی بیوی باقی رہی تو اُس کا وطن ہونا باطل نہ ہو گا اور وہ دو وطنوں والا ہو جائے گا۔

اور مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد وقارالدین قادری حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: گاؤں میں مکان اور رشتہ داروں کے ہونے سے وہاں کا باشندہ شمار نہ ہو گا۔❷

❶ قدوری مع شرحہ اللُّباب، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ المسافر، ۱/۱۱۲/۱
❷ وقار الفتاویٰ، کتاب الصلوٰۃ، نماز مسافر کا بیان، ۲/۱۴۱

جیسا کہ علّامہ رضی الدین محمد بن محمد سرخسی حنفی متوفی ۵۷۱ھ ❶ لکھتے ہیں اور اُن کے حوالے سے علّامہ کلیوبی حنفی ❷ نقل کرتے ہیں: لو كان له أهل بالكوفةِ وأهل بالبصرةِ فماتَ أهلُه بالبصرةِ وبقي له دورٌ وعقارٌ بالبصرةِ قيل: البصرةُ لا تبقى وطناً له لأنّه إنما كانت وطناً له بالأهلِ لا بالعقارِ ألا ترىٰ أنّه لو تأهّل ببلدةٍ ولم يكن عقارٌ صارت وطناً له وقيل:تبقى وطناً له۔

یعنی، اگر کوفہ میں اُس کی بیوی ہو اور بصرہ میں بھی پھر بصرہ والی بیوی فوت ہوجائے اور وہاں گھر اور زمین باقی رہے تو کہا گیا ہے کہ بصرہ کا وطن ہونا باقی نہیں رہے گا کیونکہ وطن صرف بیوی کی وجہ سے تھا زمین کی وجہ سے نہ تھا کیا تو نہیں دیکھتا اگر وہ کسی شہر میں شادی کرے اور وہاں اُس کی زمین نہ ہو تو وہ اُس کا وطن ہوجاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بصرہ اُس کا وطن رہے گا۔

اور علّامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:(قوله: إذا لم يبقَ له بالأوّل أهلٌ)أيْ:وإن بَقي له فيه عقارٌ قال

---

❶ المحيط الرّضوي، كتاب الصّلاة،باب صلاة المسافر، ۱/ ۳۸۷

❷ مجمع الأنهر، كتاب الصّلاة،باب المسافر،تحت قوله:و يبطل الوطن الأصلي،۱/ ۲۴۳

فِي النّهر❶: ولو نقلَ أهلَه ومتاعَه وله دُورٌ في البلدِ لا تَبقى وطناً لَهُ-❷

یعنی، اور مصنف کا قول کہ پہلے وطن میں اس کے اہل باقی نہ ہوں یعنی اگرچہ وہاں اس کی زمین باقی ہو، ''النہر'' میں کہا: اگر اپنے اہل وعیال اور سازوسامان سمیت منتقل ہوگیا اور شہر میں اس کے گھر باقی ہوں تو وہ اس کا وطن نہیں رہتا۔

لہٰذا جب گاؤں چھوڑ کر اہل وعیال سمیت دوسری جگہ رہائش اختیار کرلی ہے اور اس گاؤں میں کوئی بیوی نہیں رہی تو جب بھی گاؤں جائے گا تو نماز میں قصر کرے گا کیونکہ اب وہ گاؤں اس کا وطن نہیں رہا اگرچہ وہاں اس کے مکانات، زمینیں، باغات اور رشتہ دار رہتے ہیں اور وہ ظہر، عصر اور عشاء کے فرضوں میں قصر کرے گا بشرطیکہ کسی مقیم امام کی اقتداء میں نہ ہو کیونکہ مسافر کا فرض رُباعیہ میں دو رکعت ہے۔ چنانچہ علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں: وفرضُ المسافرِ في الرباعيةِ ركعتان لا يزيدُ عليها-❸

یعنی، اور مسافر کا فرض، رباعیہ میں دو رکعت ہے ان پر زیادہ نہ کرے گا۔

(یعنی صرف ظہر، عصر اور عشاء نماز میں چار رکعت فرض کو دو کر کے پڑھے)۔

---

❶ النّهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، تحت قوله: و يبطل الوطن الأصلي بمثله، ١/ ٣٤٩

❷ ردّ المحتار على الدُّر المختار، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي، ٢/ ٧٣٩

❸ الهداية شرح بداية المبتدي، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين فصل في تكبيرات التشريق، ١/ ١٠٥

ہاں اگر وہاں اقامت یعنی پندرہ دن یا زیادہ کا ارادہ کرے تو چار کو چار ہی پڑھے۔

چنانچہ علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: ولا یزالُ علی حکمِ السّفرِ حتّی ینوِيَ الإقامةَ في بلدةٍ أو قريةٍ خمسة عشر يوماً أو أكثرَ وإن نوى أقلَّ من ذلك قصرَ-❶

یعنی: اور ہمیشہ وہ سفر کے حکم میں رہے گا یہاں تک کہ کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن یا اُس سے زیادہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کرلے اور اگر اس سے کم کا ارادہ ہے تو قصر کرے۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

JIA-29 ١٦/ شوال المکرم، ١٤٢١ھ-١٢/ جنوری، ٢٠٠١م

اذانِ فجر کے بعد کھانے پینے سے روزے کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جب تک تمام مساجد کی اذانیں ختم نہ ہو جائیں اُس وقت تک کھانا پینا جاری رکھ سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو علم ہے کہ ہم نے روزہ رکھنا ہے اگر ہم دیر سے بھی جاگے اور اذان کے بعد بھی سحری کھالی تو روزہ ہو جائے گا منع کرنے پر کہتے ہیں کہ تم نے دین کو مشکل بنادیا ہے۔ اِن لوگوں کا یہ کہنا ازروئے شرع

❶ الهداية شرح بداية المبتدی، کتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، فصل فی تکبیرات التشريق، ١/ ١٠٥

کیسا ہے؟ بیّنوا و توجروا (سائل: انتظامیہ، بسم اللہ مسجد، ہجرت کالونی، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدّس الجواب: شریعتِ مطہرہ میں مسلمان کا بنیّتِ عبادت صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک اپنے آپ کو کھانے، پینے اور جماع سے باز رکھنے کا نام "روزہ" ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے: وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ. (1)

ترجمہ: اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے ظاہر ہو جائے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے (پو پھٹ کر) پھر رات آنے تک روزے پورے کرو۔ (کنزالایمان)

اور فُقہائے کرام نے بھی روزہ کی یہی تعریف بیان کی ہے۔

چنانچہ علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے "الکافی" (2) کے حوالے سے لکھا ہے: فهو عبارةٌ عن ترك الأكل والشّرب والجماع مِن الصّبحِ إلى غُروب الشّمس بنيّة التّقرّب من الأهل كذا في "الكافي". (3)

یعنی، جو شخص روزے کا اہل ہو اُس کا عبادت وثواب کی نیت سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع ترک کرنے کا نام 'روزہ' ہے، اِسی طرح "کافی" میں ہے۔

---

(1) البقرة: ٢/ ١٨٧

(2) الكافي للنسفي، كتاب الصّوم، ١/ ١٩٦، مخطوط مصوّر

(3) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصّوم، الباب الأوّل في تعريفه و تقسيمه...إلخ، ١/ ١٩٤

اور علّامہ علی بن محمد ابن غانِم مقدسی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ لکھتے ہیں:
(تَرك)أی امسَاك عن أكل(الّذی تُؤكل أی يوصل إلی الجَوف (و) شرب(المشرُوب)كالماءونحوِه(والوَطی)فی قُبل أوغيره (منْ صبح) صَادق(إلیٰ الغروب بنيّة)أی عزمٍ و قصدٍ.❶

یعنی، صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کسی کھانے کی چیز جسے پیٹ تک پہنچایا جاتا ہو یا مشروب کو ترک کر دینا جیسے پانی وغیرہ اور قُبل (اگلی شرمگاہ) وغیرہ میں وطی کو ترک کر دینا ("روزہ" ہے)۔

اور لوگوں کا یہ کہنا کہ "جب تک تمام مساجد کی اذانیں ختم نہ ہو جائیں اُس وقت تک کھانا پینا جائز ہے" سراسر غلط ہے؛ کیونکہ اذان، نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد دی جاتی ہے اِس لئے کہ دخولِ وقت اذان کا سبب ہے اور سبب اپنے مسبّب پر مقدّم ہوتا ہے اور وقت، اذان کے لئے شرط ہے اور شرط اپنے مشروط پر مقدّم ہوتی ہے۔

چنانچہ علّامہ حسن بن عمّار شرنبلالی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں: و سببُه دخولُ الوقتِ وهو شرطٌ له.❷

یعنی، اور اذان کا سبب وقت کا شروع ہونا ہے اور وقت کا شروع ہونا اذان کے واسطے شرط ہے۔

تو اذانِ فجر اُس وقت ہوتی ہے جب فجر کا وقت شروع ہو جائے، لہٰذا اذان

---

❶ أوضح رمز علی نظم الكنز، كتاب الصّوم، ق ۱۲/ ألف، مخطوط مصوّر
❷ مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصّلاة، باب الأذان، ص ۷۶

ہونا، یا اعلان ہونا، یا سائرن بجنا، یہ سب اختتامِ سحری کی علامات ہیں۔ اِس لئے صبحِ صادق ہونے سے قبل ہی کھانا پینا بند کر دینا لازم ہے اور اذانِ فجر عموماً صبح صادق ہونے کے کچھ منٹ بعد ہوتی ہے اِس لئے سحری کا وقت ختم ہونے کے معاملے میں اذان کا اعتبار نہیں کریں گے بہر حال اذان کا شروع ہونا اختتامِ وقت کی دلیل ضرور ہے اور اذان یا سائرن کے دوران یا آخر تک کھاتے رہنا وقت ختم ہونے کے بعد کھانا ہے جو روزہ کو فاسد کر دیتا ہے۔

اور لوگ جب یہ کہہ سکتے ہیں کہ "اللہ تعالی کو علم ہے کہ ہم نے روزہ رکھنا ہے اگر ہم دیر سے بھی جاگے، اذان کے بعد بھی سحری کھالی تو روزہ ہو جائے گا"۔ اُن لوگوں سے بعید نہیں کہ کل کو طلوعِ آفتاب کے بعد اُٹھ کر کہیں کہ ابھی فجر کا وقت ختم نہیں ہوا۔

لہٰذا روزہ کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے تو صبح صادق ہوتے ہی کھانا پینا ترک کر دینا لازم ہے اور روزہ غروب آفتاب پر ختم ہوتا ہے تو غروب آفتاب پر ہی روزہ افطار کرنا چاہیے اِس سے پہلے نہیں۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

٢٤/ رمضان المبارك، ١٤٢٢ھ-١/ دسمبر، ٢٠٠١م JIA-187

زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے غریبوں کے نام پر زکوۃ کی رقم اکھٹی کی اور اُس رقم کے مکانات

تعمیر کئے، اب جن لوگوں کو مکان دیئے گئے قبضہ اُن کو نہیں ملا تو کیا اِس صُورت میں کہ غریب کو مکان رہنے کے لئے دیا جائے اور قبضہ نہ دیا جائے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ تفصیلی جواب عنایت فرمائیں اور کیا قبضہ دینا ضروری ہے؟

(سائل: حافظ محمد آصف، نیا آباد، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں زکوۃ ادا نہیں ہو گی۔

چنانچہ علّامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: و یُشترط أنْ یکون الصّرف تملیکًا لا إباحةً. ❶

یعنی، زکوۃ کی ادائیگی میں مالک بنانا شرط ہے نہ کہ اباحت۔

اور علّامہ حصکفی لکھتے ہیں: ھِی شرعاً تملیك جُزء مالٍ خرج المنفعةُ فلَو أسکنَ فقیرًا دَاره سنةً ناوِیًا لا یُجز یه. ❷

یعنی، زکوۃ شرعاً مال کے ایک حصہ کا مالک بنانا ہے نہ کہ نفع کا پس اگر فقیر کو اپنے گھر میں زکوۃ کی نیت سے ایک سال ٹھہرایا تو زکوۃ ادا نہ ہو گی۔

اور حافظ الدین ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ ❸ اور علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے: فھِی تملیكُ المال منْ فقیرِ مسلمٍ غَیر ھاشمی بشَرط قطع المنفعَة عن

---

❶ الدّر المختار شرح تنویر الأبصار، کتاب الزّکاۃ، باب المصرف، ص۱۳۷
❷ الدّر المختار، کتاب الزّکاۃ، ص۱۲۶
❸ کنز الدقائق، کتاب الزّکاۃ، ۲۰۳

الممِلك من كُل وجه لله تعالىٰ هٰذا فِي الشرع.(واللفظ لكِلَيهما) ❶

یعنی، شرعاً زکوۃ، کسی مسلمان غیر ہاشمی فقیر کو محض اللہ کی رضا کے لئے مال کا مالک بنا دینا ہے، اِس شرط کے ساتھ کہ مالک بنانے والا اُس چیز سے اپنی منفعت کلی طور پر منقطع کرلے۔

اور مالک بنانے کی شرط کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: لأنّ الشرط فيها التمكينُ وهو صادقٌ بالتّمليك. ❷

یعنی، کیونکہ اِس میں قدرتِ تصرف شرط ہے اور یہ قدرتِ تملیک (مالک بنانے) سے حاصل ہوتی ہے۔

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: مُباح کردینے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی، مثلاً فقیر کو بہ نیّتِ زکوۃ کھانا کھلا دیا زکوۃ ادا نہ ہوئی کہ مالک کر دینا نہیں پایا گیا، ہاں اگر کھانا دے دیا کہ چاہے کھائے یا لے جائے، تو ادا ہو گئی۔ ❸

اور ایک جگہ لکھتے ہیں: زکاۃ ادا کرنے میں یہ ضرور ہے کہ جسے دیں مالک بنا دیں، اباحت کافی نہیں۔ ❹

اور مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین قادری حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے

---

❶ الفتاویٰ الهندية، كتاب الزكاة، ۱/ ۱۷۰

❷ ردّ المحتار على الدر المختار، كتاب الزّكاة، تحت قوله: خرج الإباحة، ۳/ ۲۰۴

❸ بہارِ شریعت، زکوۃ کا بیان، مسائل فقہیہ، ۱/ ۸۷۴

❹ بہارِ شریعت، زکوۃ کا بیان، مالِ زکوۃ کن لوگوں پر صرف کیا جائے؟ ۱/ ۹۲۷

ہیں: زکوٰۃ کی ادائیگی میں یہ شرط ہے کہ جس کو دی جائے اُس کو مالک بنادیا جائے اور جو مالک ہو جائیگا اُسے اپنی ملکیت فروخت کرنے اور کرایہ پر دینے وغیرہ کے ملکیت کے جملہ تصرّفات حاصل ہو جائیں گے۔ (1)

اور ڈاکٹر وھبہ زحیلی حنفی متوفی ۱۴۳۶ھ لکھتے ہیں: وعَرفها الحنفِية بأنّها: تمليك جُزء مال مخصوصٍ منْ مال مخصوصٍ لشخص مخصُوص عيّنه الشّارع لوجه الله تعالى. فقَولهم «تمليك» احترز بِه عن «الإباحة» فلَو أطعَم يتيماً ناوياً الزّكاة لا يُجزيه إلّا إذا دفعَ إليه المطعوم... وقَولهم «جزءُ مال» خرَج المنفعة فَلو أسْكن فقيراً دارَه سنة ناوياً الزّكاة لَا يجزِيه. (2)

یعنی، احناف نے زکوٰۃ کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ زکوٰۃ، مخصوص مال کے مخصوص جُز کا کسی ایسے مخصوص شخص کو اللہ کی رضا کے لئے مالک بنانا ہے جسے شارع نے مقرر کیا ہو، لفظِ "تملیک" سے احتراز "اِباحت" سے ہے لہذا اگر کسی نے یتیم کو زکوٰۃ کی نیّت سے کھانا کھلادیا، تو یہ جائز نہ ہوگا مگر یہ کہ کھائی جانے والی چیز یتیم کو دیدے اور "جزءمال" سے منفعت نکل گئی لہذا اگر کسی نے فقیر کو اپنے گھر میں ایک سال کے لئے زکوٰۃ کی نیت سے رہائش دی، تو یہ جائز نہ ہوگا (یعنی اس طرح زکوٰۃ

---

(1) وقار الفتاویٰ، کتاب الزکوٰۃ، مشروط کرکے زکوٰۃ دینا، ۲/ ۳۹۹

(2) الفقه الإسلامی وأدلّته، الباب الرابع: الزّكاة وأنواعها، الفصل الأوّل: الزكاة، المبحث الأول تعريف الزكاة وحكمتها... إلخ، ۳/ ۱۵۳

ادانہ ہوگی)۔

لہٰذا زکوٰۃ میں اِس طرح مکان دینا کہ اُسے ملکیت کا کوئی تصرّف کرنے کا حق نہ دیا جائے مالک بنانا نہیں اِس لئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الخمیس، ۲۱/ شوال المکرم، ۱۴۲۳ھ-۲۶/ دسمبر، ۲۰۰۲م　　JIA-387

زکوٰۃ کا حیلہ کب دُرست ہے؟

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ میں کہ مساجد میں جو دس روزہ سنّت اعتکاف ہوتا ہے اُس میں معتکف کے لئے پُر تکلّف و مُرغّن سحری و افطاری کے لئے مُخیّر حضرات سے چندہ، زکوٰۃ وغیرہ حیلہ کے بعد استعمال کرنا جائز ہے جبکہ بعض مساجد میں بعض معتکفین زکوٰۃ کے مستحق ہوتے ہیں یعنی شرعی فقیر اور بعض مساجد میں تمام کے تمام معتکفین غنی زکوٰۃ دینے والے ہوتے ہیں، اِس کا بہتر حل کیا ہے؟ مدلّل و مفصّل جواب مرحمت فرمائیں۔

(سائل: حافظ محمد عبد الکریم قادری رضوی، سبزواری پبلشرز، کھارادر، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدس الجواب: حیلہ صرف اُس جگہ کرنا چاہئے جہاں اُس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اور کوئی راستہ نہ ہو جیسے کسی سیّد صاحب کو جو کہ مُفلِس ہوں اور اُن کے ساتھ تعاون کی کوئی سبیل نہ ہو تو زکوٰۃ کی رقم حیلہ کر کے اُن کے ساتھ تعاون کر دیا جائے؛ کیونکہ حیلہ صرف اُس صُورت میں جائز ہے جب کسی شخص کو حرام سے بچانا یا حلال کو پہنچانا مقصود ہو۔

چنانچہ علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت

نے لکھا ہے: كلّ حيلةٍ يَحتالُ بها الرّجلُ ليتخلّص بها عَن حرامٍ أو ليتوصّل بها إلى حلالٍ فهي حسنةٌ. ❶

یعنی، ہر وہ حیلہ جس کے ذریعہ کسی شخص کو حرام سے بچایا جائے یا حلال کو پہنچایا جائے وہ اچھا ہے۔

اور صُورتِ مسئولہ میں ایسا نہیں ہے کہ جس کے لئے حیلہ ناگزیر ہو اور دیگر ذرائعِ عطیات مفقود ہوں؛ کیونکہ آپ خود سوال میں لکھ رہے ہیں کہ "مخیّر حضرات سے چندہ"، ہاں البتہ زکوۃ کا پیسہ حیلہ کرکے اُس میں استعمال کیا گیا تو ہرگز جائز نہیں اگر ایسا ہو تو ہر شخص اپنی زکوۃ کی رقم حیلہ کروا کر خود ہی کھا جائے۔

اور امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں: ولا تحل الزكاة لمن له مِائتادرهمٍ ولا بأس بِهالمن له أقلّ من مائتي درهمٍ. ❷

یعنی، اور جس کے پاس دو سو درہم ہوں اُس کے لئے زکوۃ لینا حلال نہیں ہے اور جس کے پاس اِس سے کم ہوں اُس کے لینے میں حرج نہیں۔

لہٰذا معتکفین میں سے جو صاحبِ حیثیت ہیں یعنی مستحقِ زکوۃ نہیں ہیں، اُنہیں زکوۃ کی رقم سے سحری یا افطاری کروانا شرعاً جائز نہیں ہے۔

اِسی طرح جو شرعی فقیر نہیں اُن کے لئے زکوۃ کی رقم حیلہ کروا کر سحری و افطار کا انتظام بھی درست نہیں ہے کہ اِس سے زکوۃ کی رقم زکوۃ دینے والوں پر ہی

---

❶ الفتاوىٰ الهندية، كتاب الحيَل، الفصل الأوّل في بيان جواز الحيل و عدم جوازها، ٦/ ٣٩٠

❷ الجامع الصّغير، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال والخمس والصّدقات، ص٨٢

خرچ ہونا شروع ہو جائے گی اور مستحق محروم رہ جائیں گے۔

چنانچہ علّامہ نظام الدین حنفی اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے:

يفعلُ هكذا فيؤدّي إلى إلحاقِ الضّرر بالفقراء. ❶

یعنی، ایسا کرنے میں مستحقینِ زکوٰۃ کو ضرر پہنچے گا۔

ہاں اگر شرعی فقیر کو زکوۃ دی جاتی ہے وہ اُس سے اپنی ضرورت پوری کرے اور کچھ اِس طرح غیر مستحق معتکفین پر خرچ کر دے تو درست ہے مگر اُس کے لئے بھی مناسب یہی ہے کہ اُس رقم سے اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے بعد بجائے زکوۃ ادا کرنے والوں پر خرچ کرنے کے کسی اور مستحق کو دے دے۔

معتکفین کی سحری وافطاری کا بہتر و آسان طریقہ یہی ہے کہ ہر معتکف اپنے گھر سے کھانا منگوائے اگر کسی کا گھر دُور ہو تو کوئی اور بندوبست کر دے اور معتکفین میں جو مستحق زکوۃ ہیں وہ اگر اپنے گھر سے کھانا منگواتے ہیں تو صحیح ورنہ اُن کو صاحبِ حیثیت افراد اپنے ساتھ کھلائیں یا زکوۃ کی رقم اُن کو دے دی جائے۔

اور پھر سحری وافطاری اجتماعی طور پر بیٹھ کر کرنا چاہیں تو جس کے گھر سے جو آیا اُس کو ایک جگہ جمع کر کے اکٹھے کھلائیں۔ اگر ایک ہی چیز منگوانی ہو تو صاحبِ حیثیت معتکف پیسے جمع کر کے منگوالیں جو سب کے لئے کافی ہو یا اور شخص اپنے پاس سے انتظام کرنا چاہے تو کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ رقم مالِ زکوۃ نہ ہو ورنہ اُس کا کھانا مستحق کی ملکیت میں دے دیا تو جائز ہو گا اور اُس کی زکوۃ ادا ہو جائے گی ورنہ ادا نہ ہو گی۔

---

❶ الفتاویٰ الهندية، كتاب الحيل، الفصل الثالث في مسائل الزكاة، ٤/ ٣٩١

واللّٰہ تعالٰی أعلم بالصواب

یوم الإثنین، ۲۶/ رمضان المبارک، ۱۴۲۳ھ-۲/ دسمبر، ۲۰۰۲م JIA-377

شرعی فقیر کو یکمشت زکوٰۃ کی رقم نصاب کے برابر یااُس سے زیادہ دینے کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ کیا ایک شخص جو فقیرِ شرعی ہے اُس کو اِس نیت سے کہ وہ سال بھر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے اور اُس کے ذریعۂ مُعاش کی بھی کوئی سبیل ہو جائے، نصاب کی رقم سے زیادہ رقم، زکوٰۃ کی مد میں یکمشت دی جاسکتی ہے؟

(سائل: محمد شہزاد قادری، جمشید روڈ، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدّس الجواب: کسی ایک شخص کو زکوٰۃ کی رقم نصاب کی مقدار کے برابر دینے سے، دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی مگر فقہاء کرام نے اِسے مکروہ لکھا ہے۔

چنانچہ امام ابو الحسن علی بن ابو بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں: یُکرَہ أن یَدفعَ إلی واحدٍ مائتَی دِرْھمٍ فَصاعداً و إن دفع جازَ. [1]

یعنی، ایک شخص کو دو سو درہم (یعنی نصاب کی مقدار) یا اِس سے زیادہ دینا مکروہ ہے اور اگر دے دیا تو جائز ہے (یعنی زکوٰۃ ادا ہو گئی)۔

[1] الهداية شرح بداية المبتدی، کتاب الزّکاة، باب مَن یجوز دفع الصّدقة إلیه و من لا یجوز، ۱/ ۱۳۵

اِسی طرح علاّمہ ابو بکر بن علی حدّادی حنفی متوفی ۸۰۰ھ لکھتے ہیں: أي يكره أن يّدفع إلى فقيرٍ مِائتي درهمٍ فصاعدًا وإن دفع جازَ مَع الكراهَة۔ ❶

یعنی، فقیر کو دوسو درہم یا اِس سے زیادہ دینا مکروہ ہے اور اگر دے دیا تو کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

ہاں اگر وہ مقروض ہو اور اُس کا قرض نصاب کے برابر یا اُس سے زائد ہو، تو اُس کو اِتنا دینا کہ قرض نکال کر اُس کے پاس بقدرِ نصاب نہ بچے یا فقیر بال بچوں والا ہو اور اُس کو دی گئی زکوٰۃ کو اگر اُن پر تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کو نصاب سے کم ملے، تو اُسے نصاب کی مقدار یا اُس سے زائد دینا جائز ہو گا۔

چنانچہ علاّمہ احمد بن محمد بن ابی بکر حنفی متوفی ۵۲۲ھ لکھتے ہیں: ويكره أنْ يعطى فقيرٌ أو أحد مائتي درهم أو أكْثرَ يَجوزُ...هٰذا إذا لم يَكن الفقير مديونًا،أمّا إذا كانَ مديونًا فدُفع إليه مقدارُما،لو قضٰى دينه لَايبقى له شَيءٌ أوْ يبقى أقَل مِن المائتينِ لَابأس به،وَكذٰلك لولم يَكن مديونًا لكِن له عيالٌ جاز أن يعطى مِقْدارما،لو وَزَّع على عياله يصيبُ كلّ واحدٍ مّنهم دُون المائتينِ۔ ❷

---

❶ سراجُ الظّلامِ و بَدرُ التّمامِ فی عِلْم الفِقْهِ،كتاب الزكوٰة،باب من يَجوز دفع الصّدقة إليه وَمن لَايجوز،ص۲٤٦، مخطوط مُصوّر

❷ خزانة الفتاویٰ، كتاب الزّكوة،فصل فيمن يجوز إليه أداء الزكاة و العشر وما يتعلق بها، ص٤٠،مخطوط مُصوّر

یعنی اور فقیرِ شرعی یا کسی شخص کو دو سو درہم یا اِس سے زیادہ دینا مکروہ ہے (لیکن) جائز ہے، یہ حکم اُس وقت ہے جب وہ فقیر مقروض نہ ہو بہر حال جب وہ مقروض ہو اور اُسے اتنا مال دے دیا جائے کہ اگر وہ اپنا قرض ادا کرے، تو اس کے پاس کچھ نہ بچے یا دو سو درہم سے کم بچے تو اِس میں کوئی حرج نہیں اور اِسی طرح اگر وہ مقروض نہ ہو لیکن بال بچوں والا ہو تو اُسے اتنا دینا جائز ہے کہ اگر وہ اپنے بال بچوں پر تقسیم کرے تو اُن میں سے ہر ایک کو دو سو درہم سے کم ملے۔

اور امام کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

إلَّا أن يَكونَ مَديونا لا يفضُل له بعد قَضاء دينه نصابٌ أو يكُون معيلاً إذا وَزّع المأخوذ على عِياله لَم يُصب كلا منهم نصاب و المسألة ظاهرة حكماً و دليلاً. (1)

یعنی، مگر یہ کہ وہ اِتنا مقروض ہو کہ اپنا قرض ادا کرنے کے بعد اُس کے پاس نصاب کی مقدار نہ بچے یا وہ عیالدار ہو کہ جب لی گئی زکوٰۃ اپنے عیال پر تقسیم کرے تو اُن میں سے ہر ایک کو نصاب کی مقدار نہ ملے اور مسئلہ حکم اور دلیل کے اعتبار سے ظاہر ہے۔

اور علّامہ فقیہ اخی چلپی یوسف بن جنید توقانی حنفی متوفی ۹۰۵ھ لکھتے ہیں:

وَلا ذىٔ عيالٍ وأماكَان معيلاًفلَابأس بأن يعطِيه مقدارما،لَووزّعه علىٰ عياله أصا ب واحِدمنهم دونَ المائتين؛ لأنّ التصدق علَيه فى

(1) فتح القدير،كتاب الزّكاة،باب من يجوز دفع الصّدقة إليه و من لا يجوز،تحت قوله:يكره أن يدفع الى واحد...إلخ،۲/ ۲۱۷

المعنیٰ تصدّق علیه وعلیٰ عیاله قَیدبغیرالمدیُون لأنّه إذاکان عَلیه دین فلَابأس بأنْ یعطیه مائتَین أوْأکثرمقدَارماإذاقَضی به دینه وَ یبقیٰ له دُون المائتین. ❶

یعنی، (جو مقروض نہ ہو اور نہ ہی عیال دار ہو تو اُسے نصاب کے برابر دینا مکروہ ہے) اور جو عیال دار (بیوی، بچوں والا) ہو، تو اُسے اتنا مالِ زکوۃ دینے میں حرج نہیں کہ اگر وہ اپنے عیال پر تقسیم کرے، تو اُن میں سے ہر ایک کو دو سو درہم سے کم ملے؛ کیونکہ اسے صدقہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ اُسے اور اُس کے گھر والوں کو صدقہ دینا اور غیر مقروض کی قید اِس لئے لگائی ہے کہ جب اُس پر قرض ہو تو اُسے دو سو یا اِس سے زائد اتنے درہم دینا کہ جس سے اُس کا قرض ادا ہو جائے اور اُس کے پاس دو سو سے کم درہم بچیں، اِس میں حرج نہیں۔

یونہی علاّمہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور علماءِ ہند کی ایک جماعت ❷ نے لکھا: وَ یکره أن یدفَع إلیٰ رَجلٍ مائتی درهمٍ فَصاعداً وَ إن دَفعه جاز کذا فی "الهدایة" ❸ هٰذا إذا لَم یکن الفقیر مدیوناً فإنْ کان مدیوناً فدُفع إلیهِ مِقْدارُ ما لَو قَضی به دینَه لَا یبقی لَه شَیءٌ أو یبقیٰ دون المائتین لا بأسَ به وَ کذا لو کان معیلاً جازَ أن یعطی له مقدارُما لَو وزّع علی

❶ حاشیة چلپی علی شرح الوقایة، کتاب الزکاة، باب المصارف، تحت قوله: غیر مدیون، ق۱/ ٤٤٨، مخطوط مصور
❷ الفتاوٰی الهندیّة، کتاب الزّکاة، الباب السابع فی المصارف، ۱/ ۱۸۸
❸ الفتاوٰی الهندیّة، کتاب الزّکاة، الباب السابع فی المصارف، ۱/ ۱۸۸

عیالِہ یُصیب کُلّ وَاحد مِنہم دُونَ المِائَتین کذافی "فَتاوٰی قاضیخان"❶

یعنی، کسی شخص کو دو سو درہم یا اِس سے زیادہ دینا مکروہ ہے اور اگر دے دیا تو جائز ہے اسی طرح "ہدایہ" میں ہے۔ یہ حکم اُس وقت ہے جب وہ فقیر قرضدار نہ ہو اور اگر وہ قرضدار ہے اور اُسے اتنا دیا گیا کہ اگر وہ اُس کے ذریعہ اپنا قرض ادا کرے تو اُس کے پاس کچھ نہ بچے یا دو سو درہم سے کم بچے، تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اِسی طرح اگر وہ مقروض نہ ہو لیکن بال بچوں والا ہو تو اُسے اتنا دینا جائز ہے کہ اگر وہ اپنے بال بچوں پر تقسیم کرے تو اُن میں سے ہر ایک کو دو سو درہم سے کم ملے اِسی طرح "فتاوٰی قاضیخان" میں ہے۔

اِسی طرح علامہ تمرتاشی اور علامہ علاؤالدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: (وَكره إعطاء فقيرٍ نِصاباً) أو أكثر (إلا إذا كان) المدفوع إليه (مديوناً و) كان (صاحبَ عيال) بحيث (لو فرقه عليهم لا يَخص كُلّاً) أو لا يفضل بعد دَينه (نصابٌ) فَلا يكرَه. ❷

یعنی، فقیر کو نصاب کے برابر یا اُس سے زیادہ مال دینا مکروہ ہے مگر یہ کہ جسے مال دیا گیا ہے، جب وہ مقروض ہو یا بال بچوں والا ہو اِس طرح کہ اگر اُن پر مال تقسیم کرے تو اُن میں سے ہر ایک کو نصاب نہ ملے یا قرض کی ادائیگی کے بعد نصاب نہ بچے تو مکروہ نہیں۔

---

❶ فتاویٰ قاضیخان علی ھامش الھندیۃ، کتاب الزکاۃ، فصل فیمن توضع فیہ الزکاۃ، ۱/۲۶۸-۲۶۹

❷ تنویر الأبصار مع شرحہ الدّر المختار، کتابُ الزّکاۃ، باب المَصرف، ص۱۳۸

یونہی صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: ایک شخص کو بقدرِ نصاب دینا مکروہ اُس وقت ہے کہ وہ فقیر مدیون نہ ہو اور مدیون ہو تو اتنا دینا کہ دَین نکال کر کچھ نہ بچے یا نصاب سے کم بچے مکروہ نہیں، یوہیں اگر وہ فقیر بال بچوں والا ہے کہ اگرچہ نصاب یا زیادہ ہے مگر اہل و عیال پر تقسیم کرے تو سب کو نصاب سے کم ملتا ہے تو اُس صورت میں بھی حرج نہیں۔ (1)

لہٰذا کسی ایک فقیر کو یکمشت نصاب کی مقدار کے برابر یا زائد دینا مکروہ ہو گا سوائے اُن صورتوں کے جو اوپر ذِکر کی گئیں اور اگر دے گا تو زکوۃ ادا ہو جائے گی مگر دینے والے کا فعل کراہت سے خالی نہ ہو گا۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۲۲ رمضان المبارک، ۱۴۳۶ھ، ۱۰ جولائی، ۲۰۱۵ء JIA-1247

جہیز، بَری اور زیورات کی ملکیت کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ زوجین میں جُدائی کی صُورت میں جہیز، بَری اور اُن جوڑوں اور زیور کا کیا حکم ہے جو لڑکی والوں نے لڑکے والوں کو دیئے تھے۔ بیّنوا و توجروا

(سائل: صاحبزادہ غلام ربانی، ضلع ٹھٹھ)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: جہیز عورت کی مِلک ہے، دوسرے کا اُس میں کوئی حق نہیں۔

(1) بہارِ شریعت، زکوۃ کا بیان، مالِ زکوۃ کے مصارف، ۱/ ۹۲۷

چنانچہ علامہ سیّد محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: کلّ أحدٍ یعلمُ أنّ الجھازَ للمرأۃ إذا طلّقھا تأخذُہ کلّہ۔ (1)

یعنی، ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کے لئے ہے، جب اُس کو طلاق دی جائے تو سارا جہیز وہ لے گی۔

اور علامہ شامی (2) ایک مقام پر "فتاویٰ ولوالجیۃ" (3) کے حوالے سے فرماتے ہیں: وَ فی "الوَلوالجیۃِ": إذا جَھّز الأبُ إبنتَہ ثمّ بقیۃ الورثۃِ یطلُبون القسمۃَ منھا فإنْ کان الأبُ إشتریٰ لھا فی صغرِھا أوْ بعد ماکبرث وسلّم إلیھا وذالك فی صحّتِہ فلا سبیلَ للوَرثۃ علَیہ و یکون لِلبنتِ خاصّۃً.

یعنی، اور "فتاویٰ ولوالجیۃ" میں ہے کہ باپ نے اپنی بیٹی کا جہیز بنایا پھر باقی ورثہ اُس میں سے اپنا حصّہ طلب کرنے لگ گئے، تو باپ نے وہ سامانِ جہیز اگر بیٹی کے بچپنے میں اُس کے لئے خریدا تھا یا اُس کے بڑے ہونے کے بعد خریدا اور بیٹی کے سپرد کر دیا اور یہ کام اپنی صحت میں کیا (یعنی اُس مرض میں نہ کیا جس مرض میں وہ فوت ہوا) تو وُرثہ کو اِس پر کوئی حق نہیں اور وہ تمام جہیز لڑکی کے لئے خاص ہو گا۔

اور امامِ اہلسنت امام احمد رضا حنفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: جہیز ہمارے بلاد کے عُرفِ عام شائع سے خاص ملکِ زوجہ ہوتا ہے جس میں شوہر کا کچھ حق نہیں،

---

(1) ردّ المحتار علی الدّر المختار، کتاب النکاح، مطلب فی دعویٰ الأب أنّ الجھاز عاریۃ، تحت قولہ: لکن فی النھر... إلخ، ۲/ ۳۰۹

(2) ردّالمحتار علی الدّر المختار، کتاب العاریۃ، تحت قولہ: جھّز إبنتہ... إلخ، ۸/ ۵۶۲

(3) فتاوی الولوالجیۃ، کتاب الفرائض، ۵/ ۴۱۰

طلاق ہوئی، تو کُل لے لے گی اور مرگئی، تو اُس کے وُرثاء پر تقسیم ہوگا۔ (1)

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں: وہ زیور وغیرہ کہ والدینِ زوج اپنی بہو کو پہننے برتنے کو بنادیتے ہیں، جس میں نصاً یا عُرفاً کسی طرح مالک کردینا مقصود نہیں ہوتا وہ بدستور ملکِ والدین پر ہے، بہو کا اُس میں کچھ حق نہیں۔ (2)

زیور کے علاوہ بَری کے بارے میں امامِ اہلِ سنّت لکھتے ہیں: دُلہن کا گہنا، جوڑا جو بَری میں جاتا ہے اگر نصاً یا عُرفاً اُس میں بھی تملیک مقصود ہوتی ہو، تو وہ بھی بعدِ قبضۂ منکوحہ، ملکِ منکوحہ ہوگا، ہمارے ہاں شُرفاء کا عُرف ظاہر یہی ہے۔ (3)

اور وہ چیزیں جو لڑکی کے والدین کی طرف سے لڑکے کو دی جاتی ہیں اُن کے بارے میں امامِ اہلسنّت لکھتے ہیں: شوہر وغیرہ کا جوڑا کہ اُدھر سے آتا ہے بعدِ قبضہ قطعاً ملکِ شوہر ہوجاتا ہے لوگ اِس سے تملیک ہی کا قصد کرتے ہیں، وذٰلك واضحٌ لاخِفاءَ بہ۔ (4)

اِس کے بعد وہ زیور وغیرہ جیسا کہ رواج ہے انگوٹھی شوہر کو لڑکی والے دیتے ہیں، تو اِس سے مقصود اگر تملیک نہ ہو تو وہ شوہر لڑکی والوں کو واپس کرے گا۔

---

(1) فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، باب الجہاز، ۱۲/ ۲۰۳

(2) فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، باب الجہاز، ۱۲/ ۲۱۰

(3) فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، باب الجہاز، ۱۲/ ۲۰۸

(4) فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، باب الجہاز، ۱۲/ ۲۰۴

نوٹ: مزید تفصیل کے لئے ہمارے فتاویٰ (JIA:594) اور (JIA:598) کا مطالعہ فرمائیں۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب

۱۰/ جمادی الأولیٰ، ۱۴۲۲ھ-۱۰/ أغسطس، ۲۰۰۱م JIA-101

دوسری شادی کرنامانعِ ارث نہیں ہے

الاستفتاء: کیافرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میرے بڑے بھائی کا تین سال پہلے انتقال ہو چکا ہے اور اُن کی اڑھائی لاکھ کی رقم بینک میں پڑی ہے، اُن کی کوئی اولاد نہیں ہے اور اُن کی بیوہ نے شادی کر لی ہے، اب ہم چھ بھائی اور دو بہنیں ہیں، اُس رقم کا حقدار کون ہو گا؟ اور اگر حصّے ہوں گے تو اُس کی تفصیل عنایت فرمائیں۔ (سائل: محمد رفیق، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدّس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں بر تقدیرِ صدقِ سائل و انحصارِ ورثاء دَر مذکورین بعدِ اُمورِ ثلاثہ متقدمہ علی الإرث بحسبِ شرائطِ فرائض، مرحوم کی کُل جائیدادِ منقولہ وغیر منقولہ چھپن سہام پر منقسم ہو کر اُس میں سے ایک چوتھائی یعنی چودہ سہام مرحوم کی بیوہ کو ملیں گے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ۔ ❶

ترجمہ: اور تمہارے ترکہ میں عورتوں کا چوتھائی ہے اگر تمہارے اولاد نہ

❶ النسآء: ٤/ ١٢

ہو۔ (کنز الایمان)

اور باقی بیالیس سہام مرحوم کے چھ بھائیوں اور دو بہنوں میں اِس طرح تقسیم کیے جائیں گے کہ ہر ایک بھائی کو چھ، چھ سہام اور ہر ایک بہن کو تین، تین سہام ملیں گے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: وَ اِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ۔ [1]

ترجمہ: اور اگر بھائی، بہن ہوں مَرد بھی اور عورتیں بھی تو مَرد کا حصّہ دو عورتوں کے برابر۔ (کنز الایمان)

اور مرحوم کی بیوہ چاہے شادی کرے یا نہ کرے بہر حال وہ اپنے مرحوم شوہر سے ترکہ کی حقدار رہے گی کہ یہ موانعِ ارث (وراثت سے روک دینے کرنے والے اُمور) میں سے نہیں ہے۔

چنانچہ علّامہ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ اور علّامہ عبدالرحیم بن ابو بکر بن سلیمان مرعشی حنفی متوفی ۱۱۴۹ھ لکھتے ہیں: (ویمنع الارثَ الرّقُّ والقتلُ واختلافُ المِلّتین) أی الإسلَام والکُفر (واختلاف الدّارینِ حقیقةً کالحربیّ والذمیّ (او حکماً) کَالمستامن وَالذمّی أوْالحَربیّین منْ دارَین مختلفَین- [2]

---

[1] النسآء: ٤/ ١٧٦

[2] ملتقی الأبحرمع شرحه المعادل فی شرح ملتقی الأبحر،کتاب الفرائض،٢/ ٦٠١، مخطوط مصوّر

یعنی، میراث سے مانع ہے، غلام ہونا، قاتل ہونا، دوملّتوں کا اختلاف جیسے اسلام اور کُفر اور دو مُلکوں کا اختلاف حقیقتاً ہو جیسے حربیّ اور ذمّی یا حکماً ہو جیسے مستامن اور ذمّی یا دو مختلف شہروں کے حربیّ۔

اور امام اہلسنّت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: وراثت سے محرومی کے صرف چار سبب ہیں کہ وارث غلام ہو یا مُورِث کا قاتل یا کافر ہو یا دارالحرب میں رہتا ہو باقی کوئی نا قابلیت اُسے اِس کے حق شرعی سے محروم نہ کرے گی۔ (1)

اور مفتی محمد جلال الدین امجدی حنفی متوفی ۱۴۲۲ھ لکھتے ہیں: دوسری شادی کرنے کے بعد بھی عورت اپنے متوفی شوہر کی جائیداد میں حصّہ پانے کی مستحق ہے۔ (2)

المسئلة من ۴×۱۴=۵۶

المیـــت

بیوہ	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بہن	بہن
۱۴	۶	۶	۶	۶	۶	۶	۳	۳

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الإثنین، ۸/ ربیع الأوّل، ۱۴۳۱ھ-۲۲/ فروری، ۲۰۱۰م 587-F

فون پر یا آن لائن نکاح کرنے کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں

(1) فتاویٰ رضویہ، کتاب الفرائض، ۲۶/۲۹۱
(2) فتاویٰ فیض الرسول، کتاب الفرائض، ۲/۷۲۸

کہ ٹیلی فون پر نکاح کرنا کیسا ہے؟ ایسے نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ وضاحت سے تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ (سائل: C/O علامہ امان اللہ اختری، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدّس الجواب: نکاح کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں ،اُن میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ایجاب و قبول دونوں ایک ہی مجلس میں ہوں حتّٰی کہ ایجاب و قبول کرنے والا لڑکا اور لڑکی دونوں مجلسِ نکاح میں موجود ہوں اور ایک کے ایجاب کے بعد ،دوسرا قبول کرنے سے پہلے ہی مجلسِ نکاح سے کھڑا ہو جائے یا کسی ایسے کام میں مشغول ہو جائے جو اختلافِ مجلس کا سبب ہو، تو نکاح منعقد نہیں ہو گا اگر چہ اِس کے بعد وہ ہزار بار قبول کرتا رہے اور ایجاب و قبول میں اِرتباط کی شرط، اتّحادِ زمان ہے، تو مجلس کو اِرتباط کی جامع قرار دیا گیا کیونکہ ایجاب و قبول میں اِرتباط کے حُصول کے لئے اتّحادِ زمان کو لازم قرار دیا گیا ہے اور اس کے مُنعقد ہونے کی وجہ سے مجلس کو اُس کی جامع قرار دیا گیا ہے اور مجلس کے مختلف ہونے سے ایجاب و قبول میں کسی طرح بھی اِرتباط نہیں ہوتا اِسی لئے نکاح بھی منعقد نہیں ہوتا اور یہ حکم تو اُس صُورت میں ہے جب مُتعاقدَین دونوں حاضر ہوں اور پھر اختلافِ مجلس پایا گیا، تو نکاح منعقد نہ ہوا اور جب مُتعاقدَین میں سے ایک مجلسِ نکاح سے غائب ہو تو نکاح کیسے منعقد ہو سکتا ہے جبکہ وہ نہ اصالۃً موجود ہے اور نہ ہی وکالۃً اور ظاہر ہے کہ ٹیلی فون پر یا آن لائن نکاح کرنے والے کی مجلس ایک نہیں ہوتی، جس کی طرف سے ایجاب ہوا اُس کی مجلس وہ نہیں جو قبول کرنے والے کی مجلس ہے اور جس کی طرف سے قبول ہوا اُس کی مجلس وہ نہیں جو ایجاب کرنے

والے کی مجلس ہے۔ یعنی ایجاب و قبول کے لئے اتحادِ مجلس کا ہونا لازمی تھا وہ نہ پایا گیا، لہٰذا نکاح بھی مُنعقد نہیں ہو گا۔

البتہ فون پر یا آن لائن نکاح کرنے کی صُورت یہ ہے کہ اگر مجلسِ نکاح میں لڑکا موجود نہیں ہے تو وہ کسی کو اپنا وکیل بنا دے یا لڑکا تو موجود ہے لیکن لڑکی موجود نہیں ہے تو لڑکی کسی کو اپنا وکیل بنا دے اور پھر وہ وکیل اُس لڑکے یا لڑکی کی طرف سے ایجاب کرے اور دوسرا قبول کرے، اِسی طرح اگر لڑکا اور لڑکی دونوں ہی مجلسِ نکاح میں موجود نہیں ہیں تو دونوں کسی کو اپنا وکیل مُقرّر کر دیں اور پھر وہ وکیل اُن کی طرف سے ایجاب اور قبول کریں یعنی ایک ایجاب اور دوسرا قبول اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں ایک ہی شخص کو اپنے نکاح کا وکیل بنا دیں اور وہ وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں صِرف اتنا کہے کہ میں نے اُس لڑکی کا اُس لڑکے سے نکاح کیا یا اِسی طرح لڑکا، لڑکی کی طرف قاصد بھیجے اور لڑکی دو گواہوں کی موجودگی میں قبول کر لے یا لڑکا، لڑکی کی طرف نکاح کا پیغام لکھ کر بھیجے اور لڑکی گواہوں کے پاس جا کر اُن کے سامنے اُس خط کو پڑھے اور کہے میں نے اپنے آپ کو فلاں کے نکاح میں دیا یا لڑکی کہے کہ فلاں شخص نے مجھے نکاح کا پیغام لکھ کر بھیجا ہے تو تم سب گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اپنے آپ کو اُس کے نکاح میں دیا، تو اِن تمام صُورتوں میں نکاح منعقد ہو جائے گا۔

اور ہمارے ہاں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ لڑکا محفلِ نکاح میں موجود ہوتا ہے اور لڑکی کی طرف سے اُس کا وکیل مجازاً ایجاب یا قبول کرتا ہے جو باقاعدہ لڑکی

سے نکاح کی اجازت لے کر آتا ہے، لہٰذا اگر لڑکا یا لڑکی نے کسی کو وکیل بنائے بغیر ٹیلی فون یا انٹرنیٹ پر خود ایجاب و قبول کیا تو ہر گز، ہر گز نکاح منعقد نہ ہو گا اور ایسے نکاح کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہو گی اور لڑکی، لڑکے کے لئے اور لڑکا، لڑکی کے لئے بدستور اجنبی رہیں گے۔

نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ ایجاب و قبول دونوں ایک ہی مجلس میں ہو۔

چنانچہ علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں: فمِنها اتِّحادُ المجلسِ إذا كانَ الشَّخصان حاضرَين. ❶

یعنی، (نکاح صحیح ہونے کی) شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ (ایجاب و قبول کی) مجلس متحد ہو جبکہ لڑکا اور لڑکی دونوں موجود ہوں۔

اور علامہ علاؤالدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: ومِن شَرائط الإيجاب والقبولِ: اِتّحادُ المجلسِ. ❷

یعنی، ایجاب و قبول کی شرائط میں سے ہے کہ (ایجاب و قبول کی) مجلس متحد ہو۔

اور علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے: ومِنها أن يكون الإيجاب وَالقبولُ في مجلسٍ واحدٍ. ❸

یعنی، اور اِس کی شرائط میں سے ہے کہ ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں

---

❶ البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب النکاح، تحت قولہ: ینعقد بإیجاب و قبول، ۳/ ۱۴۸
❷ الدّر المختار شرح تنویر الأبصار، کتاب النکاح، ص۱۷۸
❸ الفتاویٰ الهندیة، کتاب النکاح، الباب الأوّل في تفسیره شرعاً...إلخ، ۱/ ۲۶۹

ہو۔

اوراگر ایجاب و قبول کرنے والے مُتعاقدَین مجلس نکاح میں موجود ہوں اور ایک کے ایجاب کے بعد دوسرا قبول کرنے سے قبل مجلسِ نکاح سے کھڑا ہو جائے یا کسی ایسے کام میں مشغول ہو جائے جو اختلافِ مجلس کا سبب ہو تو نکاح منعقد نہیں ہو گا۔

چنانچہ علاّمہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:وصُورة إختلاف المجلسِ أن يُوجب أحدهما فيقُومَ الآخر قبل القبولِ أو يكونَ قَد اشتغل بعملٍ آخر يوجب إخْتلاف المُجلسِ. ❶

یعنی ، اور اختلافِ مجلس کی صُورت یہ ہے کہ مُتعاقدَین میں سے ایک ایجاب کرے اور دوسرا قبول کرنے سے پہلے کھڑا ہو جائے یا کسی دوسرے ایسے کام میں مشغول ہو جائے جو اختلافِ مجلس کا سبب ہو۔

اِسی طرح علاّمہ ابن نجیم لکھتے ہیں:فلوِ اختلفَ المجلس لَم ينعقد فلَو أوجب أحدُهما فقامَ الآخرُ أو اشتغل بعمل آخرَ بطلَ الإيجابُ. ❷

یعنی،اگر ایجاب و قبول کی مجلس الگ ہو تو نکاح منعقد نہ ہو گا اور اگر دونوں میں سے ایک نے ایجاب کیا اور دوسرا کھڑا ہو گیا یا کسی ایسے دوسرے کام میں مشغول ہو گیا تو ایجاب باطل ہو گیا۔

---

❶ فتح القدیر،کتاب النکاح،تحت قوله:یعبر بهما عن الماضی،۳/ ۱۰۴
❷ البحرالرائق شرح كنز الدقائق،كتاب النكاح، تحت قوله:ينعقد بإيجاب و قبول، ۳/ ۱۴۸

یونہی حافظ الدین محمد بن محمد شہاب ابن البزّاز کردری حنفی متوفی ۸۲۷ھ لکھتے ہیں: إذا قامَ أحد الزَّوجين منَ المجلسِ قبل قبول الآخر بطلَ النِّكاح. ❶

یعنی، جب زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کے قبول کرنے سے پہلے کھڑا ہو گیا تو نکاح باطل ہو جائے گا۔

اِسی طرح علّامہ ابو الرجاء نجم الدین مختار بن محمود زاہدی حنفی متوفی ۶۵۸ھ لکھتے ہیں: قامَ أحد الزَّوجين قبل القَبول بطل. ❷

یعنی، زوجین میں سے کوئی ایک قبول کرنے سے پہلے کھڑا ہو گیا تو نکاح باطل ہو جائے گا۔

اور ایجاب و قبول میں اِرتباط کی شرط اتّحادِ زمان ہے تو مجلس کو اِرتباط کی جامع قرار دیا گیا کیونکہ ایجاب و قبول میں اِرتباط کے حُصول کے لئے اتّحادِ زمان منعقد ہونے کی وجہ سے مجلس ہی اِس کی جامع ہے۔

چنانچہ علّامہ ابن نجیم لکھتے ہیں: لأنّ شرطَ الإرتباط إتّحادُ الزمان فجعلَ المجلسُ جامعاً تيسيراً. ❸

یعنی، کیونکہ اِرتباط کی شرط اِتّحادِ زمان ہے لہذا آسانی کے لئے مجلس کو جامع

---

❶ الفتاوٰی البزّازیة علی هامش الفتاوی الهندیة، کتاب النکاح، الفصل الأوّل، نوع آخر، ٤/ ١١٢

❷ قنية المنية علی مذهب أبي حنيفة، کتاب النکاح، ص ١١٢، مخطوط مُصوّر

❸ البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب النکاح، تحت قوله: ينعقد بإيجاب و قبول، ٣/ ١٤٨

قرار دیا گیا۔

اور مجلس مختلف ہونے سے ایجاب و قبول میں کسی طرح بھی اِرتباط نہیں ہوتا، اِسی لئے نکاح بھی منعقد نہیں ہوتا۔

چنانچہ علّامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:لِأنَّ الإنعقاد هوَ ارتباطُ أحدِ الْكلامَين بالآخرِ و باختلاف المجلسِ يتفرَّقان حقيقةً وحكماً فلَو عقدا وهمايَمشيانِ أوْ يَسيران على الدّابةِلايجوز. ❶

یعنی؛کیونکہ دو کلاموں (یعنی ایجاب وقبول) میں سے ایک کا دوسرے کے ساتھ رَبط ہوناہی'' انعقاد'' کہلاتا ہے اور مجلس کے اختلاف سے ایجاب و قبول حقیقۃً اور حکماً متفرّق ہوجاتے ہیں لہٰذا اگر متعاقدین نے چلتے ہوئے یا چوپائے پر جاتے ہوئے عقد کیا تو (ایسا عقد) جائز نہیں (یعنی نکاح منعقد نہ ہوگا)

اِسی طرح علّامہ مہدی حنفی لکھتے ہیں:لفظُ العقد شامل لأمورٍ ثلاثةٍ أحدُهاالإيجاب وَالثّاني القبولُ وَالثالث الإرتباط فالنِكاح عبارة عنِ الإيجابِ والقبولِ مع ذٰلكَ الإرتباطِ جُزئينِ داخلَين في ماهية النِّكاحِ لا أمورًا خارجيةً عن تلكَ الماهيةِكَالشّرائطِ❷

یعنی،لفظِ عقد تین اُمور کو شامل ہے:ایک ایجاب ،اوردوسرا قبول اور تیسرا اِرتباط،لہٰذا نکاح کو اُسی اِرتباط کے ساتھ ساتھ ایجاب وقبول کے ایسے دو جزء سے تعبیر کیا گیا ہے جو نکاح کی حقیقت میں داخل ہیں،شرائط کی طرح اُس حقیقت

---

❶ فتح القدير،كتاب النكاح،تحت قوله:يعبربهماعن الماضی، ۳/ ۱۰۴
❷ فوائد عارفيةعلى شرح الوقاية،كتاب النكاح، ص۹۳،مخطوط مُصوّر

سے خارج نہیں۔

اور یہ حکم تو اُس صُورت میں ہے کہ جب مُتعاقدَین دونوں حاضر ہوں اور پھر اختلافِ مجلس پایا گیا تو نکاح منعقد نہ ہو گا اور جب مُتعاقدَین میں سے ایک مجلسِ نکاح سے غائب ہو تو نکاح کیسے منعقد ہو سکتا ہے جبکہ وہ نہ اصالۃً موجود ہے اور نہ ہی وکالۃً۔

چنانچہ علّامہ نظام الدین اور علمائے ہند کی ایک جماعت نے لکھا ہے: وَكذا إذا كانَ أحدُهما غائباً لم ينعقد. (1)

یعنی، اور اِسی طرح جب مُتعاقدَین میں سے کوئی غائب ہو نکاح منعقد نہ ہو گا۔

اوراِسی طرح علّامہ محمد بن عبد اللہ بن احمد تمرتاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ اور علّامہ علاؤالدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: (ولا يتوقَّف الايجابُ على قبول غائبٍ عن المجلس في سائر العقودِ) من نكاحٍ و بيع وغَيرهما بل يبطل الايجابُ ولا تلحقه الإجازة إتّفاقًا. (2)

یعنی، اور تمام عُقود مثلاً نکاح اور بیع وغیرہ میں مجلس سے غائب شخص کے قبول پر ایجاب موقوف نہیں ہو گا بلکہ ایجاب باطل ہو جائے گا اور بالاتفاق (بعد کی) اجازت اُسے لاحق نہیں ہوں گے۔

---

(1) الفتاوٰی الهندية، كتاب النكاح، الباب الاوّل فی تفسيره شرعاً إلخ، ۱/ ۲٦۹

(2) تنوير الأبصار مع شرحه الدر المختار، كتاب النكاح، باب الكفاءة، ص۱۸۸

لہذا فون پر یا آن لائن نکاح کرنے کی صُورت یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی کسی کو اپنا وکیل بنا دیں اور وہ وکیل اُن کی طرف سے ایجاب و قبول کرے، جیسے نجاشی بادشاہ نے کیا۔

چنانچہ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں: أَنَّ النَّجَاشِيَّ زَوَّجَ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ مِنْ رَسُولِ اللہ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدَاقِ أَرْبَعَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ وَكَتَبَ بِذٰلِكَ إِلَى رَسُولِ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبِلَ. (1)

یعنی، نجاشی بادشاہ نے اُمّ حبیبہ بنت ابی سُفیان رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چار ہزار درہم کے مہر پر کیا اور اِس کا خط لکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف بھیج دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمالیا۔

اِسی لئے ہمارے فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ جس طرح اصالۃً نکاح منعقد ہو جاتا ہے اِسی طرح وکالۃً بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

چنانچہ امام علاؤالدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں: ثُمَّ النّكاح كما يَنعقد بهذه الألفاظِ بِطريق الإصالة ينعقدُبها بطريقِ النِيابة بِالوَكالةوَالرسالةِ لأن تَصرّفَ الوكيلِ كَتصرف المُوكّل وكَلام الرّسول كلام المُرسِلِ وَالأصلُ في جوازِ الوكالة في

---

(1) سُنَن أبِي داؤد، كتاب النّكاح، باب الصّداق، برقم الحديث: ٢١٠٨، ٢/ ٤٠٣

باب النِّكاحِ ما رُوي أنَّ النّجاشي زَوّج رسولَ الله صلی الله علیه و سلم أُمَّ حَبِيبَةَ رَضِيَ الله عنهافلا يَخْلُوْ ذٰلكَ إمّا أن فَعلَهُ بأمْرِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وسلم أوْلَا بِأمْرِه فإن فعله بأمره فهو وَكيلُه وإن فَعله بغيرأمْره فقَد أجازَ النَّبي صلی الله علیه وسلم عقدَه والإجازةُ اللّاحقة كالوَكالةِ السَّابقةِ. ❶

یعنی، پھر نکاح جس طرح اِن الفاظ سے اصالۃً منعقد ہوتا ہے اسی طرح نائب بنا کر، وکیل بنا کر اور قاصد بھیجنے کے ذریعے بھی منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ وکیل کا تصرّف مؤکل کے تصرّف کی طرح ہوتا ہے اور قاصد کا کلام قاصد بھیجنے والے کا کلام ہوتا ہے اور نکاح کے باب میں وکیل بنانے کے جواز میں اصل یہ روایت ہے کہ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے کروایا تو یہ نکاح دو حال سے خالی نہیں، یا تو نجاشی نے یہ نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے کروایا ہو گا یا حکم سے نہیں کروایا ہو گا، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے کروایا ہے تو نجاشی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے وکیل ہوئے اور اگر نجاشی نے نکاح، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے بغیر کروایا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں اُس نکاح کو جائز قرار دے دیا ہو گا اور بعد کی اجازت، سابقہ وکالت کی طرح ہوتی ہے۔

یونہی علامہ نظام الدین اور علمائے ہند کی ایک جماعت ❷ نے لکھا ہے:

---

❶ بدائع الصنائع، کتاب النکاح، ۲۲۳/۳

❷ الفتاوٰی الھندیۃ، کتاب النکاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها، ص ۲۹٤

يصح التَّوكيل بالنِّكاح وإن لم يحضرهُ الشُّهودُ كذا في "التّاتارخانِيةِ" ❶

یعنی، نکاح کا وکیل بنانا دُرست ہے اگرچہ (وکیل بناتے وقت) گواہ موجود نہ ہوں، اِسی طرح "تاتارخانیہ" میں ہے۔

اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں ایک ہی شخص کو اپنے نکاح کا وکیل بنادیں اور وہ وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں صِرف اتنا کہے کہ میں نے اُس لڑکی کا اُس لڑکے سے نکاح کیا۔

چنانچہ امام ابو بکر بن علی بن محمد حدّادی زبیدی حنفی متوفی ۸۰۰ھ لکھتے ہیں:وكَذا إذا كان وَلِيَّ صغيرين أو وكيلاً من الجانبين كفاهُ أنْ يقول زَوجتُ هذهِ مِنْ هذا ولا يحتاج إلى قبولٍ. ❷

یعنی، اور اِسی طرح جب کوئی شخص نابالغ لڑکا اور لڑکی کا ولی ہو یا دونوں جانب سے وکیل ہو تو اُسے یہ کہنا کافی ہے کہ میں نے اِس لڑکی کا نکاح اُس لڑکے سے کیا اور قبول کرنے کی حاجت نہیں۔

اِسی طرح "السّراج الوهّاج" ❸ ہے۔

یا اِسی طرح لڑکا، لڑکی کی طرف قاصد بھیجے اور لڑکی دو گواہوں کی موجودگی میں قبول کرلے یا لڑکا، لڑکی کی طرف نکاح کا پیغام لکھ کر بھیجے اور لڑکی گواہوں کے پاس جاکر اُن کے سامنے اُس خط کو پڑھے اور کہے میں نے اپنے آپ کو فلاں کے نکاح

---

❶ الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب النّكاح، الفصل السادس عشر في الوكالة بالنكاح، ٤/١٤٦
❷ الجوهرة النيرة، كتاب النكاح، تحت قوله: بلفظين، ٢/١٠٦
❸ السراج الوهاج، كتاب النكاح، ق ٣١٤/ ب، مخطوط مصوّر

میں دیا یا لڑکی کہے کہ فلاں شخص نے مجھے نکاح کا پیغام لکھ کر بھیجا ہے تو تم سب گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اپنے آپ کو اُس کے نکاح میں دیا، تو اِس صُورت میں بھی نکاح دُرُست ہو جائے گا۔

چنانچہ علّامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ [1] لکھتے ہیں اور اُن کے حوالے سے علّامہ محمد سلطان جان مسعودی حنفی [2] لکھتے ہیں: و ینعقِد بکتابةِ غائبٍ بشرط إعلامِ الشُّهود بما فِی الْکتابِ المرادُ به الْغائبُ عن المجلسِ وَإن کانَ حاضرًا فِی الْبلَد وَصُورته أنْ یکتب إلیها یَخطبها فإذا بلغها الکتابُ أحْضرتِ الشُّهود وقَرأته عَلیهم وَقالتْ زَوّجتُ نَفْسیْ منه أوْ تقول إنّ فُلانًا کتبَ إلَیّ یَخطبنی فأشهدُوْا أنِّی زَوّجتُ نَفسِی منهُ.

یعنی، نکاح غائب شخص کے خط کے ذریعہ منعقد ہو جائے گا بشرطیکہ گواہوں کو اُس مضمون کا علم ہو جو خط میں ہے اور غائب سے مراد وہ شخص ہے کہ جو مجلس سے غائب ہو اگرچہ شہر میں موجود ہو اور اِس کی صُورت یہ ہے کہ مرد عورت کو نکاح کا پیغام دینے کے لئے خط لکھے پھر جب وہ خط عورت کو پہنچے تو وہ گواہوں کے پاس جائے اور اُن کے سامنے خط پڑھے اور عورت کہے کہ میں نے اپنا نکاح اُس سے کیا یا عورت کہے کہ فلاں نے مجھے نکاح کا پیغام دینے کے لئے خط لکھا ہے، لہٰذا گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اپنے آپ کو اُس کے نکاح میں دیا۔

---

[1] ردّ المحتار علی الدّرالمختار، کتاب النکاح، مطلب: التزوج بإرسال کتاب، تحت قوله: بل غائب، ٤/ ٨٣

[2] الفتاویٰ السلطانیة، مبحث فی أحکام النکاح، ١-٢/ ١٥٠، مخطوط مُصوّر

اور علّامہ نظام الدین اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت نے علّامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ کے حوالے سے لکھا ہے: ولَو أرسل إليها رسولاً أوْ كتب إليها بذلكَ كتابًا فقبلت بحضرة شَاهدَين سمعَا كلام الرّسول وقراءة الكتاب جاز لِاتّحادِ المجلسِ منْ حيثُ المْعنىٰ...هكذافى "البدائع". (1)

یعنی، اور اگر کسی نے عورت کی طرف قاصد بھیجا، یا اُس کی طرف خط لکھ کر بھیجا اور عورت نے ایسے دو گواہوں کی موجودگی میں قبول کیا جنہوں نے قاصد کے کلام کو اور خط کی قراءت کو سنا تو یہ جائز ہے، کیونکہ معنوی اعتبار سے مجلس متحد ہے اِسی طرح "البدائع" میں ہے۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۲۵ ربیع الاول، ۱۴۳۶ھ، ۶ جنوری، ۲۰۱۵م JIA-1256

عیسائی مرد سے نکاح کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میری ایک بھانجی ہے۔ جس کا نام شہانہ مُسرّت ہے اور اُس کا نکاح ۱۹۹۳ء میں محمد اقبال نامی شخص سے کیا گیا نکاح کے وقت مجھے اِس بات کا علم نہیں تھا کہ لڑکی کے باپ (جو کہ اب دنیا سے رُخصت ہو چکے ہیں) نے اُس کا نکاح کر دیا ہے جو کہ نہ جانے کس دباؤ میں آکر کیا میں اُس کی شادی میں بھی شریک نہیں تھا بعد از آں مجھے علم ہوا کہ بھانجی

(1) بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی بیان شرائط الجواز والنفاذ، ۲/ ۲۳۳

کا جس شخص سے نکاح ہوا عیسائی ہے، اگر مجھے پہلے علم ہوتا تو ہرگز یہ نکاح نہ ہونے دیتا الحمد للہ میں اہل سُنّت و جماعت بریلوی مسلک سے تعلّق رکھتا ہوں، پھر اُس لڑکی کو اُس کے سُسرال والوں کی جانب سے مجبور کیا گیا کہ ہمارے ساتھ چرچ چل کر دوبارہ ہمارے مذہب کے مطابق شادی کرو۔ اِسی سبب سے لڑکی اپنے سُسرال سے جان بچا کر میرے پاس آئی اور سارا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ میں اُن بد دینوں کے ساتھ ہر گز نہ رہوں گی۔ اُس لڑکی کی ایک نوزائیدہ بچی بھی ہے جس کی عمر تقریباً ایک ماہ ہے۔ نکاح کے وقت اُس شخص نے اپنے آپ کو یوسف زئی پٹھان ظاہر کیا تھا، تحقیق کے بعد علم ہوا کہ اُس کا نام جارج پترس ولد جارج ڈیوڈ ہے ماں کا نام رُوپکا اور بھائی کا جارج سیم شم ہے۔ جن قاضی صاحب نے اُن کا نکاح پڑھایا تھا اُن سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ نکاح کے وقت لڑکی کی جانب سے کوئی گواہ موجود نہ تھے۔ برائے مہربانی شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں میری رہنمائی فرمائیں کہ اِس نکاح کا کیا حکم ہے۔ بیّنوا بالبُرھان وتؤجروا عند الرّحمٰن.

(سائل: محمد یاسین، محمد فاروق، لیاقت اسکوائر، ملیر کالونی، کراچی)

باسمه تعالیٰ و تقدس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں عیسائی مرد کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح ہرگز منعقد نہیں ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا۔ (1)

ترجمہ، اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔ (کنز الایمان)

---

(1) البقرة، ۲/ ۲۲۱

اِس آیت کے تحت علّامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۴۱ھ لکھتے ہیں:

وَالمعنیٰ ولا تزوّجوا الکفّار وَلو أھل الکِتاب المؤمنات-❶

یعنی اور معنی یہ ہے کہ مسلمان عورتوں کا نکاح کفّار سے نہ کراؤ اگرچہ اہلِ کتاب (عیسائی یا یہودی) ہوں۔

اور قاضی ثناء اللہ عثمانی حنفی مظہری نقشبندی متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں کہ

ھٰذہ الآیة محکمةٌ لایَجوز نکاح المؤمِنة بالمشرك کِتابیًا کان أو غیرہ إجماعاً-❷

یعنی، یہ آیت محکم ہے، اِس پر اجماع ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح مُشرک سے جائز نہیں۔ کتابی (یہودی یا عیسائی) ہو یا غیر کتابی۔

اور علّامہ اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:لأنّ مطْلق الدّین ھُو الإسلام وَلا کلام فِیه لأنّ اسلام الزّوج شرطُ جوازِ نکاح المسلمةِ-❸

یعنی، اِس لئے کہ مطلق دین وہ اسلام ہے اور اِس میں کوئی کلام نہیں اِس لئے کہ خاوند کا اسلام مسلمان عورت کے نکاح کے لئے شرط ہے۔

اور علّامہ ابو بکر بن علی حدّادی حنفی متوفی ۸۰۰ھ❹ لکھتے ہیں اور اُن

---

❶ حاشیة الصّاوی علی تفسیر الجلالین، تحت الآیة:۲۲۱، ۱/ ۱۸۶

❷ تفسیر المظھری، سورة البقرة، تحت الآیة:۲۲۱، ۱/ ۳۰۸

❸ العنایةشرح الھدایة، کتاب النکاح، فصل فی الکفاءة، تحت قولہ:أی فی الدّیانة، ۲/ ۲۷۳

❹ السّراج الوھّاج، کتاب النّکاح، تحت قوله:ولّا یجوز تَزویج المجوسیات والوثنیات، ق ۲۶، مخطوط مصوّر

سے علّامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت [1] نے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: ولا یجوزُ تزوّجُ المسلمة مِن مشركٍ ولا كتابيٍ.

یعنی، اور مسلمان عورت کا نکاح مشرک اور کتابی (عیسائی ہو یا یہودی) کے ساتھ جائز نہیں۔

لہذا اگر واقعی مذکور شخص عیسائی تھا تو یہ نکاح باطل ہے اور عدّت بھی عورت پر لازم نہیں ہو گی جیسا کہ علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: نكحَ كافرٌ مسلمةً فولدتْ لايثبتُ النّسب ولا تجبُ العدّةُ لأنه نكاحٌ باطلٌ. [2]

یعنی، کافر مرد نے مسلمان عورت سے نکاح کیا تو یہ نکاح باطل ہے۔ عورت کو کافر سے بچہ پیدا ہوا ہو تو کافر سے نسب ثابت نہیں ہو گا اور نہ عدّت واجب ہو گی۔

اور باطل مثلِ عدم کے ہوتا ہے۔

چنانچہ علّامہ شامی لکھتے ہیں: والظّاهر أنّ المراد بِالباطل مَا وجودُه كعدمِه-[3]

یعنی اور ظاہر ہے کہ باطل سے مراد ہر وہ شے ہے جس کا وجود مثلِ عدم ہو۔

---

[1] الفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السّابع المحرمات بالشرك، ۱/ ۲۸۲

[2] ردّ المحتار علی الدّرالمختار، كتاب النّكاح، مطلب فی نكاح الفاسد، تحت قوله: كشهود... إلخ، ۴/ ۲۶۶

[3] ردّ المحتار علی الدر المختار، كتاب النّكاح، مطلب فی نكاح الفاسد، تحت قوله: كشهود ...إلخ، ۴/ ۲۶۶

اگر مذکورہ شخص بوقتِ نکاح تو مسلمان تھا پھر مرتد ہو گیا تو مرتد کا نکاح بھی ختم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ علّامہ برہان الدین علی بن ابو بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں: وإذا ارتدّ أحد الزّوجين عنِ الإسلام وقعتِ الفُرقة بغير طلاقٍ- (1)

یعنی، اور جب زوجین میں سے کوئی ایک اسلام سے مرتد ہو جائے تو اُن کے درمیان بغیر طلاق کے جُدائی واقع ہو جاتی ہے۔

اور علّامہ جلال الدین بن شمس الدین خوارزمی حنفی متوفی ۷۶۷ھ لکھتے ہیں: أيْ في الحالِ قبل الدّخول و بعدهُ- (2)

یعنی، (زوجین میں سے کوئی ایک اسلام سے مرتد ہو جائے تو) دُخول سے قبل ہو یا دُخول کے بعد، ان میں فوراً بغیر طلاق کے جُدائی واقع ہو جائے گی۔

اور علّامہ بابرتی حنفی لکھتے ہیں: سَواء كان دخلَ بها أو لم يدخلْ. (3)

یعنی، (زوجین کے درمیان جُدائی واقع ہو جائے گی) برابر ہے کہ عورت مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا۔

اور علّامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ (4) لکھتے ہیں

---

(1) الهداية شرح بداية المبتدي، كتاب النّكاح، باب نكاح أهل الشرك، ١/ ٢٥٤
(2) الكفاية في شرح الهداية، كتاب النكاح، باب نكاح أهل الشرك، ٢/ ٥٣٥
(3) العناية شرح الهداية، كتاب النكاح، باب نكاح أهل الشرك، ٢/ ٣٥٤
(4) الكافي للنسفي، كتاب النكاح، ٢/ ١٢-الف/ب، مخطوط مصوّر

اور اُن سے علّامہ نظام الدین اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت [1] نے نقل کرتے ہوئے لکھاہے:ارتدّ أحدُ الزّوجين عن الإسلام وقعت الفُرقة بغيرِ طلاق فِي الحال قبل الدّخول و بعده ثمّ إنْ كان الزّوج هو المرتدّ فلها كلُّ المهر إن دخل بها ونصفُه إن لم يدخل بهَا-

یعنی،زوجین میں سے کوئی ایک اسلام سے مرتد ہواتو دُخول سے قبل اور دُخول کے بعد بغیر طلاق فوراً جُدائی واقع ہو جاتی ہے پھر اگر شوہر مرتد ہوا تو عورت سے اُس نے اگر دُخول کیاتواُسے پورامہر ملے گااور اگر دُخول نہیں کیاتو آدھا۔

اور مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین قادری حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں:مرتد کا نکاح ختم ہو جاتاہے،اُس کی بیوی کو علم ہونے کے بعد اُس کے ساتھ رہنا حرام ہے اور زوجیّت کے تعلّقات قائم رکھنازِنا ہے،اُسے فوراً جُدا ہو جاناچاہئے۔[2]

اور بچہ مسلمان رہے گا۔جیسا کہ علّامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:فإنْ كان أحدُ الزّوجين مسلمًا فالولدُ علىٰ دينهِ-[3]

یعنی زوجین میں سے جو مسلمان ہو گابچہ اُسی کے دین پر ہو گا۔

لہٰذا اگر بوقتِ نکاح مرد مسلمان تھاتو مرتد ہونے کے باعث نکاح باطل ہو گیااور کامل مہر لازم آیااور اگر بوقتِ نکاح ہی کافر تھاتو نکاح منعقد ہی نہیں ہوااور اگر بعد از نکاح اور قبل از خلوت صحیحہ مرتد ہواتو بھی نکاح باطل ہو گیااور نصف مہر

---

[1] الفتاوىٰ الهندية،كتاب النكاح،الباب العاشر فی نكاح الكفار،۱/ ۳۳۹

[2] وقار الفتاویٰ،کتاب النکاح،کفو کابیان،۳/ ۳۴،مطبوعہ بزم وقار الدین،کراچی

[3] الهداية شرح بداية المبتدی،كتاب النكاح،باب نكاح أهل الشرك،۱/ ۲۵۳

لازم آئے گا نیز بچی اپنے والدین میں سے ایک کے (یعنی اس کی ماں کے) مسلمان ہونے کے سبب مسلمان رہے گی اور جب مسلمان رہے گی، تو مسلمان کو ہی ملے گی اور اُس کے والدین میں سے اس کی ماں مسلمان ہے، **لہٰذا بچی اپنی ماں کے پاس رہے گی۔**

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۲۹/ ربیع الأول، ۱۴۲۲ھ۔۱۹/ جون، ۲۰۰۱م JIA-81

خُلع میں عورت کا قبول کرنا ضروری ہے

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ مسمّات زاہدہ بنت محمد حنیف نے اپنے شوہر مسمّی شاہد محمود ولد محمود علی سے تحریری طور پر طلاق کا مطالبہ کیا جس پر مسمّی شاہد محمود نے بھی تحریری طور پر تین طلاقیں گواہوں کے روبرو لکھ کر دے دیں اور دونوں تحریروں کی نُقول اِس استفتاء کے ساتھ منسلک ہیں جن پر گواہوں کے دستخط بھی ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ کیا یہ خُلع ہے؟ اگر خلع نہیں تو کتنی طلاقیں واقع ہوں گی نیز شاہد محمود نے مہر کی رقم ادا نہیں کی تھی کیا طلاق کے بعد اُس پر واجب الادا ہے؟ بیّنوا و توجروا عند اللہ.

(سائل: چاند میاں، قادری فاسٹ فوڈ، بمبئی بازار، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدّس الجواب: مسمّات زاہدہ بنت محمد حنیف کا تحریر کردہ مطالبۂ طلاق اور شاہد محمود ولد محمود علی کا تحریر کردہ طلاق نامہ بغور پڑھنے اور گواہوں کے دستخط دیکھنے پر ثابت ہوا کہ یہ خلع نہیں ہے کیونکہ شریعتِ مطہرہ میں الفاظِ مخصوصہ کے ساتھ مال کے بدلے میں نکاح زائل کرنے کو "خُلع" کہتے ہیں جس

میں عورت کا قبول کرنا شرط ہوتا ہے۔

چنانچہ خلع کی تعریف کرتے ہوئے علّامہ یوسف بن جنید اخی چلپی حنفی متوفی ۹۵۰ھ لکھتے ہیں: وَ فی الشّرع عبارةٌ عنْ أخذ المال من المرأة بإزَاء مِلك النكاح بلفظ الخُلع ومافی حُکمه. (1)

یعنی، اصطلاحِ شرع میں نکاح کی ملکیت زائل کرنے کے مقابل میں، لفظِ خلع یا جو لفظ اُس کے معنی میں ہو اُس کے ساتھ عورت سے مال لینا "خُلع" کہلاتا ہے۔

اور اُس کی شرط بیان کرتے ہوئے علّامہ زین الدین بن ابراہیم ابنِ نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ (2) اور اُن سے نقل کرتے ہوئے علّامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ (3) لکھتے ہیں: و شرعاً کما فی "البحرِ" إزالةُ ملك النّكاحِ المتوقّفةُ علی قبولها بلفظِ الخُلعِ أو ما فی معناهُ.

یعنی، شریعت مطہرہ میں خُلع، لفظِ خُلع یا اُس کے ہم معنی لفظ کے ساتھ ملکِ نکاح کو زائل کرنا ہے جو عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہے۔

اور امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: خُلع، شرع میں اُسے کہتے ہیں کہ شوہر برضائے خود مہر وغیرہ مال کے عوض عورت کو نکاح سے جُدا کر دے۔ (4)

---

(1) حاشیة چلپی علی شرح الوقایة المعروف بذخیرة العقبی، کتاب الطّلاق، باب الخلع، ۲/ ۲۱۵، مخطوط مصوّر

(2) البحر الرّائق شرح کنز الدقائق، کتاب الطلاق، باب الخلع، ٤/ ١١٩

(3) الدّر المختار، کتاب الطّلاق، باب الخلع، ص ٢٣٤

(4) فتاویٰ رضویہ، کتاب الطلاق، باب الخلع، ۱۳/ ۲۲۴

اور صدرالشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: مال کے بدلے میں نکاح زائل کرنے کو "خُلع" کہتے ہیں عورت کا قبول کرنا شرط ہے بغیر اُس کے قبول کیے خُلع نہیں ہو سکتا اور اِس کے الفاظ معین ہیں اُن کے علاوہ اور لفظوں سے نہ ہوگا۔ (1)

لہٰذا یہ خُلع نہیں ہے۔

اگر مسمّی شاہد محمود نے تین طلاقیں برضائے خود بلا اکراہِ شرعی تحریر کی ہیں تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ وُقوعِ طلاق کے لئے زبان سے کہنا ضروری نہیں، بلکہ تحریر سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

چنانچہ علامہ ابو الحسن علی بن ابو بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ (2) لکھتے ہیں اور اُن سے نقل کرتے ہوئے علاّمہ ابنِ نجیم حنفی (3) اور علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت (4) نے لکھا ہے: الکتابُ کالخطَابِ۔

یعنی، تحریر، کلام کی طرح ہے۔

اور شاہد محمود پر اُس کی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی بغیر حلالۂ شرعیہ کے حلال نہ ہو گی۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى

---

(1) بہار شریعت، طلاق کا بیان، خلع کا بیان، ۲/۸/۱۹۴

(2) الھدایۃ، کتاب البیوع، ۲/ ۲۳

(3) الأشباہ والنظائر، الفنّ الثالث: الجمع والفرق، أحکام الکتابۃ، ص ۳۳۹

(4) الفتاویٰ الھندیۃ، کتاب البُیوع، الباب الأوّل فی تعریف البیع ورکنہ وشرطہ... إلخ، ۳/ ۹

تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهٗ۔❶

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اُسے دی تو اب وہ عورت اُسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنز الایمان)

اور مہر کی رقم شاہد نے اگر اب تک ادا نہیں کی تھی تو طلاق کے بعد بھی دینا لازم ہوگی۔

قرآنِ کریم میں ہے: وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً۔❷

ترجمہ: اور عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے دو۔ (کنز الایمان)

اور ''نحلۃ'' کا مطلب مہر ہے اور یہ اللہ عزّوجلّ کی جانب سے عورت کے لئے تحفہ ہے۔

چنانچہ ابو محمد سہل بن عبد اللہ تستری متوفی ۲۸۳ھ لکھتے ہیں: أعطُوهنّ الصدَاق هبة مِن الله عزَّ وجلَّ لهُنّ. ❸

یعنی، تم اُنہیں مہر دو، یہ اُن عورتوں کے لئے اللہ عزّوجلّ کی طرف سے تحفہ ہے۔

اور امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند سے حضرتِ

❶ البقرۃ: ۲/ ۲۳۰
❷ النسآء: ٤/ ٤
❸ تفسیر تُستری، سُورۃ النساء، تحت الآیۃ: ٤، ١/ ٥٣

عبد اللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: النِّحْلَةُ '' المَہْر ''۔ ❶

یعنی، ''نحلۃ ''، مہر ہے۔

اور فرمایا: وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ ❷

ترجمہ: اور حسبِ دستور اُن کے مہر اُنہیں دو۔ (کنز الایمان)

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۲۲/ جمادی الأخری، ۱۴۲۲ھ-۱۱/ ستمبر، ۲۰۰۱م JIA-128

بیوی کی خواہش پر طلاق دینے کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو اِن الفاظ کے ساتھ طلاق نامہ ایک خط کے ذریعہ بھیجا: محمد مبشر رضا کی (عثمان) آسیہ بی بی کو مبارک پیش کرتا ہوں کہ ۱۴/ اگست ۲۰۰۷ء بروز منگل بمطابق ۲۹/ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ کا دن بہت سی خوشیاں اپنے ساتھ لا رہا ہے، تمہارے لئے خصوصی مبارک باد ہے تمہیں:

(۱) اس دن ہماری شادی کی دوسری سالگرہ ہے، ۱۴/ اگست ۲۰۰۷ء بروز منگل۔ بمطابق ۲۹ رجب المرجب ۱۹۲۸ھ

(۲) اس دن ہمارے بیٹے کی سالگرہ ہے، ۱۴/ اگست ۲۰۰۷ء بروز منگل۔ بمطابق ۲۹ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ۔

---

❶ صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، سورۃ النساء، باب: لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ کَرْهًا، ۳/ ۱۷۴

❷ النسآء: ۴/ ۲۵

(۳) تمہاری اور تمہارا چچا ("م") کی دلی خواہش پوری ہو رہی ہو گی۔

نوٹ: تمہاری اور تمہارے چچا کی خوشی کو پورا کرتے ہوئے تمہاری خوشی کی خاطر میں خوشی سے اپنے پیارے بیٹے کی سالگرہ کی خوشی میں تمہیں تحفہ کے طور پر میرے بیٹے کے صدقہ میں تمہارا مطالبہ پورا کرتے ہوئے شریعت و سنّت کے مطابق میں تمہیں طلاق دیتا ہوں اور اِس مہینے کے طہر پر پاک ہوتے ہی تمہاری خوشی کا فیصلہ تمہاری خوشی کی خاطر کر رہا ہوں، اپنے پیارے بیٹے کی سالگرہ کی خوشی کے صدقے میں تمہارا مطالبہ اور تمہاری خواہش و خوشی کو پورا کر رہا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ لڑکے کے اِس طلاق نامہ سے لڑکی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور آئندہ یہ اب شریعت کے مطابق ساتھ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

(سائل: محمد اختر، نیو کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں شوہر نے جو الفاظ لکھے ہیں اُن کے مطابق اگر لڑکی کو حیض ختم ہو گیا ہے، تو اُس پر ایک طلاقِ رجعی واقع ہو گئی ورنہ حیض ختم ہونے پر ایک طلاقِ رجعی واقع ہو گی اور عدّت کے اندر شوہر کو رُجوع کا حق رہے گا اور اگر رُجوع کر لیتا ہے تو عورت بدستور اُس کی بیوی رہے گی اور آئندہ شوہر کو صرف دو طلاق کا حق باقی رہے گا جب بھی دو طلاقیں متفرق یا اکٹھی دے گا تو عورت اُس پر حُرمتِ مغلّظہ کے ساتھ حرام ہو جائے گی۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ

تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ۔ [1]

ترجمہ: یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ (کنز الایمان)

اِسی بناپر فُقہائے کرام نے یہ مسئلہ بیان فرمایاہے کہ ایک یادوطلاق کے بعد شوہر کو عدّت کے اندر رُجوع کرنے کا اختیار ہے۔

چنانچہ علّامہ علاؤالدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں: أمّا الطّلاق الرّجعي فالحُكم الأصلي لَه هو نقصَان العَدد... فإنْ طلّقها ولم يُراجعها بَل تركهَا حتى انقضتْ عدّتها بانتْ. [2]

یعنی، طلاقِ رجعی کا حکمِ اصلی، عددِ طلاق میں کمی ہے لہذا اگر اس نے طلاق دی اور رُجوع نہیں کیا بلکہ عورت کو چھوڑے رکھا یہاں تک کہ اُس کی عدّت گزر گئی ، تو وہ نکاح سے نکل جائے گی۔

اور علّامہ برہان الدین ابو الحسن علی بن ابو بکر مرغینانی حنفی موفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں: إذا طلّق الرجُل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتَين فله أنْ يراجعها فِي عدّتها رضيت بذٰلك أوْ لم ترض. [3]

یعنی، جب مرد، اپنی بیوی کو ایک یادو رجعی طلاقیں دے، تو اُسے عدّت

---

[1] البقرۃ: ۲/ ۲۲۹
[2] بدائع الصنائع، كتاب الطّلاق، فصل في بيان حكم الطلاق، ٤/ ٣٨٧
[3] الهداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، ٢/ ٢٩٣

کے اندر، اندر رُجوع کرنے کا اختیار ہے ، عورت راضی ہو یا نہ ہو۔

اور مذکورہ عورت کو اگر ماہواری آتی ہے تو اُس کی عدّت تین ماہواریاں ہے اور اگر وہ حاملہ، تو عدّت وضعِ حمل ہے۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے: يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ۔ ❶

ترجمہ: اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک۔ (کنز الایمان)

اور قرآن کریم میں ہے: وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ ❷

ترجمہ: اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جَن لیں۔ (کنز الایمان)

اور قرآن وحدیث کی روشنی میں فُقہائے کرام نے بھی حیض والی کی عدّت تین ماہواری اور حاملہ کی عدّت، وضعِ حمل بیان کی ہے۔

چنانچہ علّامہ محمد بن احمد سمرقندی حنفی متوفی ۵۴۰ھ لکھتے ہیں: وَأمّا عدةُ الطلَاق فثلاثَة قروءٍ في حقّ ذوات الأقراء إذَا كانت حُرّة... وأمّا في حق الحامِل فعدّتها وَضع الحمل. ❸

یعنی، طلاق کی عدّت حیض والی کے حق میں تین حیض ہے جب کہ وہ آزاد ہو، اور حاملہ، تو اُس کی عدّت وضعِ حمل ہے۔

---

❶ البقرة: ۲/ ۲۲۸

❷ الطّلاق: ۶۵/ ٤

❸ تحفة الفُقهاء، كتاب الطّلاق، باب العدّة، ص۳۳۲

لہٰذا اگر شوہر نے اِس سے پہلے کوئی طلاق نہیں دی تھی یا ایک دی تھی اور اب وہ عدّت کے اندر رُجوع کرلیتا ہے، تو بیوی بدستور اُس کے نکاح میں رہے گی اور رُجوع کے بغیر عدّت گزر گئی، تو عورت آزاد ہے اب چاہے جس سے نکاح کرے یا مہر جدید کے ساتھ بغیر حلالہ کے اُسی شوہر سے نکاح کرے۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الخمیس، ۱۰/ شعبان المعظم، ۱۴۲۸ھ-۲۳/ اغسطس، ۲۰۰۷م JIA-880

طلاقِ ثلاثہ کے حوالہ سے ایک اہم فتویٰ

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اِس طرح ہونے سے طلاق نہیں ہوتی، سب سے پہلے گھر میں دال پکنے پر اُنہوں نے کہا کہ "میں تجھے طلاق دیتا ہوں یہ دال پکائی ہے"۔ سب گھر والوں کے سمجھانے پر میرے شوہر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور ہماری زندگی گزرنے لگی، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد میرے شوہر کے تعلقات کچھ غلط لوگوں سے ہونے لگے، میں نے اُن کو روکنے کی کوشش کی، اِس کے لئے میں نے اپنے نندوئی سے بات کی کیونکہ میرے شوہر اپنی بہن کے شوہر سے ڈرتے ہیں، اِس پر اُنہوں نے مجھے کہا کہ "تمہیں دوسری ہو جائے گی اگر تم نے اس سے بات کی"، میں نے بات کی کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ یہ غلط صحبت میں پڑے پھر کچھ دنوں بعد اُن کی والدہ میرے گھر آئیں اور کھانا پکنے پر اُنہوں نے شور کر دیا اور مجھ پر غلط الزامات لگانے لگیں کہ میرے کسی کے ساتھ غلط تعلقات

ہیں، میں یہ بات برداشت نہیں کر سکتی تھی، میں نے اُن کی ہر بات کا جواب دیا، اُنہوں نے میرے شوہر سے کہا اِسے طلاق دے کر گھر سے باہر نکالو، میں پریشان ہو گئی اور ہماری بحث بڑھ گئی تب میرے شوہر نے کہا: ”تجھے طلاق ہو جائے گی خاموش ہو جا“، لیکن میں اُن کی والدہ کی ہر بات کا جواب دیتی رہی کیونکہ اپنے اوپر غلط الزام برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اِس ساری بات کا تذکرہ میں نے اپنے والد سے کیا، اُنہوں نے میرے سُسر سے بات کی، تب میرے شوہر نے کہا: ”تمہیں طلاق ہو چکی ہے اپنے باپ کو بولو آکر تمہیں لے جائیں“۔ میرے والد نے میرے سُسر کو میرے گھر پر بلایا تاکہ سارا معاملہ حل ہو سکے لیکن میرے شوہر نے اپنے والد کو فون پر کہا کہ آپ کو آنے کی ضرورت نہیں ہے، ” اِس کو ہو چکی ہے، اِس کو ہو چکی ہے، اس کو ہو چکی ہے، میں نے اِس کو دے دی ہے“، کئی بار یہ جملہ فون پر دہرایا (اس کی میرے پاس ریکارڈنگ بھی ہے) اور جب میں نے اُن سے کہا کہ اگر تم مجھے دے چکے ہو تو سب کے سامنے اقرار کرنا اُس وقت مکر مت جانا جب میں سب کو بتاؤں گی، تب اُنہوں نے قرآن پاک پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا میں کسی سے نہیں ڈرتا، میں قرآن پر ہاتھ رکھتا ہوں کہ ” میں نے تجھے طلاق دی“، میں سب کے سامنے یہ ہی کہوں گا۔ اکثر یہ جملہ کہتے کہ کیسا بے غیرت باپ ہے کہ بیٹی کو طلاق ہو گئی ہے پھر بھی لے کر نہیں جاتا۔ میں بہت پریشان ہوں، برائے مہربانی مجھے بتائیے کہ کیا درست ہے؟ اور آگے مجھے کیا کرنا چاہئے۔

نوٹ: پچھلے چار سال سے میرے اپنے شوہر سے کسی قسم کے تعلقات نہیں ہیں۔(**سائلہ: حمیرہ زوجہ سہیل، کراچی**)

باسمه تعالیٰ و تقدس الجواب: صورتِ مسئولہ میں بر تقدیرِ صدقِ سائلہ تین طلاقیں واقع ہو گئیں؛ کیونکہ سوال کے مطابق جب گھر میں دال پکنے پر شوہر نے ایک بار کہا "میں تجھے طلاق دیتا ہوں" اِس سے ایک طلاق واقع ہو گئی۔

چنانچہ صدرالشریعہ عبیداللہ بن مسعود محبوبي حنفی متوفی ۷۴۷ھ لکھتے ہیں: صَریحه مااستُعمل فیه دون غَیره مثل: أنْت طالق ومطلّقة وطلقتُك.(1)

یعنی، صریح وہ لفظ ہے، جو طلاق کے علاوہ میں استعمال نہ ہوتا ہو جیسے تو طلاق والی ہے، تومطلقہ ہے اور میں نے تجھے طلاق دی۔

اور علّامہ نورالدین ابوالحسن علی بن سلطان قاری ہروی حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں: ولا یحتاج إلی نیة الطلاق عن النکاح بالإجماع الفقهاء إلا داؤد، فلو نوی بشيء من ذلك الطلاق عن القیدلا یصدق قضاءلأنه خلاف الظاهر.(2)

1. النقاية، كتاب الطلاق، ٢/ ٩٦
2. فتح باب النعاية بشرح النقاية، كتاب الطلاق، تحت قوله: طلقتك، ٢/ ٩٦.٩٧

یعنی، اِس پر فُقہائے کرام کا اجماع ہے کہ صریح لفظ طلاق کی نیت کا محتاج نہیں ہوتا مگر داؤد ظاہری کے نزدیک لہٰذا اگر طلاق سے قید مراد لی، تو قضاءً اُس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اِس لئے کہ یہ ظاہر کے خلاف ہے۔

اور علّامہ محمد بن عبد اللہ بن احمد تمر تاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ لکھتے ہیں:

صَریحُه مالَم یستعمَل إلّا فیه کطلَّقتك وأنْت طالِقٌ.....یَقع بها وَاحدَة رجعیّة. (1)

یعنی، طلاق کے صریح الفاظ وہ ہیں جو طلاق میں ہی استعمال ہوں جیسے میں نے تجھے طلاق دی اور تو طلاق والی ہے، اِن الفاظ سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

اور طرح صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: لفظ صریح مثلاً میں نے تجھے طلاق دی... میں تجھے طلاق دیتا ہوں اِن سب الفاظ کا حکم یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی ہو گی۔ (2)

اور دوسری مرتبہ جب شوہر نے طلاق کو نندوئی سے بات کرنے کی شرط پر مُعلَّق کرتے ہوئے کہا: "تمہیں دوسری ہو جائے گی اگر تم نے اُس سے بات کی" اور بیوی نے اُس سے بات کی تو دوسری طلاق واقع ہو گئی، کیونکہ طلاق کو شرط پر مُعلَّق کرنے کی صُورت میں اُس شرط کے پائے جانے کے فوراً بعد طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

---

(1) تنویر الأبصار، کتاب الطلاق، باب الصریح، ص۲۰۷

(2) بہارِ شریعت، طلاق کابیان، صریح کابیان، مسائل فقهیه، ۲/ ۱۱۸

چنانچہ علّامہ برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں: وَإذا أضافَه إلى شرط وَقع عقيبَ الشَرط مثل أنْ يَّقول لامرأته إن دَخلت الدّار فَأنتِ طالقٌ۔❶

یعنی، اور جب شوہر نے طلاق کو کسی شرط کی طرف مضاف کیا تو شرط کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی مثلاً: شوہر اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے۔

اور علّامہ ابو بکر بن علی حدّادی حنفی متوفی ۸۰۰ھ لکھتے ہیں: وإذا أضاف الطّلاق إلى شرطٍ وَقع عَقيب الشَّرط مثل أن يّقول لِامْرأته إنْ دَخلت الدَّار فأنتِ طالق لِأنّ الملك قائمٌ فى الحالِ۔❷

یعنی، اور جب شوہر نے طلاق کو کسی شرط کی طرف مضاف کیا تو شرط کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً شوہر اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے اس لئے کہ ملکیتِ نکاح ابھی قائم ہے۔

اور علّامہ ابو المکارم عبد الکریم بن عبد اللہ صباغی حنفی متوفی ۹۰۷ھ لکھتے ہیں: إذا قالَ إن كلّمت زيداً و عَمرواً فأنت طالقٌ يقع الطّلاقُ إن وجدَ الشيء الثّانى. ❶

---

❶ الهداية شرح بداية المبتدى، كتاب الطّلاق، باب الأيمان فى الطلاق، ۲/ ۲۸۳

❷ سراج الظّلام و بدرُ التّمام في علم الفقه، كتاب الطلاق، باب التعليق، ص ۴۲۴، مخطوط، مُصوَّر

یعنی، جب شوہر نے (اپنی بیوی سے) کہا "اگر تو نے زید اور عمرو سے بات کی تو تجھے طلاق ہے" تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر دوسری چیز پائی گئی (یعنی اس نے بات کی، تو)۔

اور امام سیّد اسعد مدنی بن ابو بکر حنفی آفندی متوفی ۱۱۱۴ھ لکھتے ہیں: سؤال

فِيْ رجلٍ قالَ لزوجتِه يلزمُني الحرام إن تكلّمت مع فلانٍ. فَقالت: أُكلِّمه فَقالَ:فإن فعلتِ فَرَّجتُكِ.فكلَّمته ثم ضربَها. هَل يقع عليه طلاقٌ أم لا؟.جوابٌ:تعليق الفعل المضارع بِالشرط يصرّفه إلى الإستقبال بِلا ريب والمعلّق بالشَّرط يتنجَّز عند وُجود ذلك الشَّرطِ فتطلَّق واحدةٌ بائنةٌ.❷

یعنی، اُس شخص کے بارے میں سوال کہ جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ مجھ پر حرام لازم ہو جائے گا اگر تو نے فلاں شخص کے ساتھ کلام کیا، تو عورت نے کہا میں اُس سے بات کروں گی پھر شوہر نے کہا اگر تو نے ایسا کیا تو میں تجھے چھوڑ دونگا، چنانچہ عورت نے فلاں شخص سے کلام کیا پھر شوہر نے اُسے مارا، تو کیا عورت پر طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟ **جواب:** شرط کے ساتھ فعل مُضارع کو مُعلَّق کرنا بلا شُبہ اُسے مستقبل کی طرف پھیر دیتا ہے اور جسے شرط کے ساتھ مُعلَّق کیا گیا ہے وہ اُس شرط کے پائے

=

❶ أبو المكارم شرح مختصر الوقاية،كتاب الطّلاق،فصل شرط صحة التعليق فى الطلاق والملك،ق١-٢/ ٤٥،مخطوط مُصوّر

❷ الفتاوىٰ الأسعديّة فى فقه الحنفيّة،كتاب الطّلاق،باب التعليق فى الطلاق،١/ ٢٢٠

جانے کے وقت فوراً واقع ہو جاتا ہے لہٰذا عورت کو ایک طلاقِ بائنہ ہو جائے گی۔

پھر شوہر نے تین بار کہا کہ اِس کو ہو چکی ہے اور کہا کہ میں نے اِس کو دے دی ہے اور یہ کہا کہ میں قرآن پر ہاتھ رکھتا ہوں کہ میں نے تجھے طلاق دی۔ اِس طرح وہ اپنی بیوی کو تین سے زائد طلاقیں دے چکا ہے، اور تین واقع ہو کر زائد لغو ہوئیں، لہٰذا بیوی شوہر پر حُرمتِ مُغلَّظہ کے ساتھ حرام ہو گئی کہ اَب بے حلالۂ شرعیّہ حلال نہ ہو گی۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ ؕ ❶

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اُسے دی تو اَب وہ عورت اُسے حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنز الایمان)

اور امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ سے اِسی طرح کا ایک سوال ہوا کہ زید نے غصّہ کی حالت میں کہا میں اِس کو طلاق دے چکا، یا یہ کہا میں تو اُس کو طلاق دے چکا، اِسی طرح تین چار مرتبہ یہی الفاظ کہے، اِس سے قبل اپنی زوجہ سے لفظِ طلاق کبھی نہ کہے تھے، کیا اِس صُورت میں زید کی منکوحہ پر طلاق ہو گئی یا نہیں؟

تو امامِ اہلسنت نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: تین طلاقیں ہو گئیں، زید گنہگار ہوا اور عورت بے حلالہ اُس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ ❶

---

❶ البقرۃ: ۲/ ۲۳۰

واللہ تعالی أعلم بالصواب

۲۵ رمضان المبارک، ۱۴۳۶ھ، جولائی، ۲۰۱۵م JIA-1249

خُلع اور طلاق سے قبل عورت سے نکاح کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ آج سے تیرہ سال پہلے میری شادی ہوئی، شادی کے ایک مہینے بعد معلوم ہوا کہ یہ شخص دھوکے باز ہے پہلے سے شادی شُدہ بچوں والا ہے اور کام کاج بھی نہیں کرتا، لوگوں کو دھوکہ دے کر پیسے لے لیتا ہے میں نے پھر بھی گزارا کرنے کی کوشش کی مگر چند ماہ بعد وہ شخص غائب ہو گیا پھر میں نے عدالت سے طلاق کے لیے رُجوع کیا، عدالت نے تین نوٹس جاری کیے وہ شخص نہیں آیا، اِس کے بعد عدالت نے خُلع نامہ جاری کر دیا، مجھے اتنی دین کی سمجھ نہیں تھی کہ جانتی کہ شوہر کے دستخط کے بغیر خُلع نہیں ہوتی، بہر حال نُو سال کے صبر کے بعد ایک دیندار آدمی سے رشتہ طے پایا، اُنہیں تمام حالات بتا دیئے تھے اور وہ بھی یہی سمجھے کہ طلاق ہو گئی ہے، شادی کے ساڑھے تین سال بعد معلوم ہوا کہ خُلع نامہ پر شوہر کے دستخط نہیں ہیں، اُنہوں نے مجھ سے پوچھا، تو میں نے بھی اُنہیں یہی بتایا وہ مجھے ایک مفتی صاحب کے پاس لے گئے، مفتی صاحب نے مسئلہ سُن کر فرمایا کہ آپ دونوں کا نکاح نہیں ہوا، آپ دونوں

=

1 فتاویٰ رضویہ، کتاب الطلاق، ۱۲/ ۳۷۱

الگ ہو جائیں اور اُس شخص کو تلاش کر کے طلاق لکھوائیں اور اِس کے بعد عدّت پوری ہونے کے بعد پھر آپ دونوں دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں پھر یہ مرحلہ کیسے طے ہوا، یہ الگ داستان ہے، بہر حال طلاق ہو گئی اور الگ رہ کر میں نے عدت پوری کر لی، اب میں اُس دیندار آدمی سے جن سے دوسری شادی ہوئی تھی، نکاح دوبارہ کرنا چاہتی ہوں، اِس کے لیے کیا طریقہ کار ہو گا؟ وضاحت فرمادیں، بہت مہربانی ہو گی۔

(سائلہ: ایک بہن، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدّس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ شریعت نے طلاق کا اختیار شوہر کو دیا ہے نہ کہ کسی اور کو، اور دوسرے کی بیوی سے اُس وقت تک نکاح کرنا جائز نہیں ہے جب تک وہ اُسے طلاق نہ دے دے یا شوہر کی وفات ہو جانے کی صُورت میں عدّت نہ گزار لے اور اِسی طرح دورانِ عدّت عورت سے نکاح کرنا یا صراحۃً نکاح کا پیغام دینا، ناجائز و حرام ہے البتہ عدّتِ وفات میں اشارۃً نکاح کا پیغام دینا جائز ہے اور اگر طلاقِ رجعی یا طلاقِ بائن یا فسخِ نکاح کی عدّت ہو، تو اُس میں اشارۃً بھی نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں ہے، اور صُورتِ مسئولہ میں سائلہ نے بیان کیا کہ شوہرِ اول نے طلاق دے دی ہے اور اُس نے الگ رہ کر عدّت گزار لی ہے تو اَب وہ اُس دیندار شخص سے نکاح کر سکتی ہے لیکن طلاق سے قبل جو نکاح ہوا وہ دُرست نہ تھا۔

طلاق کا اختیار اللہ تعالیٰ نے صرف شوہر کو دیا ہے، اِس بارے میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ﴾ ❶

ترجمہ: جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے (کنز الایمان)

مذکورہ آیت کے تحت علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں: وَهُو الزَّوجُ كذا فَسّرَه عَلِيٌّ رَضِيَ الله عَنهُ وَهُو قَولُ سَعِيدِ بْنِ جُبَيرٍ وَشُرَيحٍ و مُجاهِدٍ وَ أَبِي حَنيفَةَ ....و هٰذالأَنَّ الطَّلاقَ بِيدِه فكانَ بَقاءُ الْعَقدِ بِيدِه. ❷

یعنی، (جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے) اِس سے مراد شوہر ہے، اِسی طرح اِس کی تفسیر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی اور یہی سعید بن جبیر اور شُریح اور مجاہد اور امامِ اعظم ابو حنیفہ کا قول ہے اور ایسا اِس لیے ہے کہ طلاق کا اختیار شوہر کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا عقدِ نکاح کو باقی رکھنا بھی اِسی کے ہاتھ میں ہے۔

اور مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں: معلوم ہوا کہ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھوں میں رکھی گئی ہے، طلاق کا اُس کو ہی حق ہے، عورت کو نہیں۔ نہ خُلع میں نہ بغیر خُلع یعنی خُلع میں مرد کی مرضی پر طلاق موقوف ہوگی۔ آج کَل عوام نے جو خُلع کے معنی سمجھے ہیں کہ عورت اگر مال دے دے تو بہر حال طلاق ہو جاوے گی خواہ مرد طلاق دے یا نہ دے، یہ غلط ہے۔ ❸

اِسی طرح امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ اپنی سند کے

---

❶ البقرۃ: ۲/ ۲۳۷
❷ تفسیر النسفی، سورۃ البقرۃ، تحت الآیۃ: ۲۳۷، ۱/ ۱۲۱
❸ تفسیر نور العرفان، سورۃ البقرۃ، تحت الآیہ: ۲۳۷، ص ۳۶۷

ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ۔ ❶

یعنی، طلاق کا اختیار صرف اُس کے پاس ہے جس نے (عورت کی) پنڈلی کو پکڑا۔

مذکورہ حدیث کے تحت علاّمہ ابو الحسن کبیر محمد بن عبد الہادی سندھی حنفی متوفی ۱۱۳۸ھ لکھتے ہیں: أيْ الطَّلاقُ حقّ الزّوجِ الَّذيْ لَه أنْ يَّأخُذَ بِساقِ المرْأةِ. ❷

یعنی، طلاق دینا اُس شوہر کا حق ہے جسے عورت کی پنڈلی پکڑنے کا اختیار ہے۔

اور دوسرے کی بیوی سے اُس وقت تک نکاح کرنا جائز نہیں ہے جب تک وہ اُسے طلاق نہ دے دے یا شوہر کی وفات ہو جانے کی صورت میں عدّت نہ گزار لے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن عورتوں کو حرام فرمایا ہے اُن میں شوہر والی عورت بھی ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ﴾ ❸

ترجمہ: اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں۔ (کنز الایمان)

مذکورہ آیت کے تحت علاّمہ ابو البرکات نسفی لکھتے ہیں: وَالمعنیٰ وَحُرّمَ عَلیکُم نِکاحُ المنکوحاتِ أيْ اللاَّتی لَهنَّ أزواجٌ. ❹

---

❶ سُنَن ابن ماجة، کتاب الطلاق، باب طلاق العبد، برقم الحدیث: ۲۰۸۱، ۲/ ۵۳۸

❷ حاشیة السندی علی هامش سُنَن ابن ماجه، کتاب الطّلاق، باب طلاق العبد، تحت الحدیث: ۲۰۸۱، ۲/ ۵۳۸

❸ النّساء: ٤/ ٢٤

❹ تفسیر النسفی، سورة النساء، تحت الآیة: ٢٤، ١/ ٢١٨

یعنی، اور آیت کا معنی یہ ہوگا کہ منکوحات یعنی وہ عورتیں جن کے شوہر ہیں، اُن سے نکاح کرنا تم پر حرام کیا گیا ہے۔

اِسی لئے ہمارے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ غیر کی منکوحہ سے نکاح کرنا حرام ہے۔

چنانچہ علاّمہ ابو بکر بن علی بن محمد حدّادی حنفی متوفی ۸۰۰ھ [1] اور اُن کے حوالے سے علاّمہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۰۹۲ھ اور عُلمائے ہند کی ایک جماعت [2] نے لکھا ہے: لایجوز للرّجلِ أنْ یّتزوج زوجة غیرہ.

یعنی، کسی شخص کے لئے دوسرے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

اِسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: جبکہ زید نے ہنوز طلاق نہ دی نصیبن بدستور اُس کے نکاح میں باقی ہے اور بکر خواہ کسی کو ہرگز اُس سے نکاح حلال نہیں اگر کر بھی لیا، تاہم جیسے اَب تک وہ دونوں مبتلائے زنا رہے یوں ہی اُس نکاحِ بے معنی کے بعد بھی زانی وزانیہ رہیں گے اور یہ جھوٹا نام نکاح کا کچھ مفید نہ ہوگا، قال تعالیٰ: ﴿ وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ﴾ [3] اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں۔ پس چارۂ کار یہی ہے کہ بکر و نصیبن فوراً جُدا ہو جائیں اور اللہ عزّوجلّ کے غضب سے ڈر کر اپنے اُن

[1] السّراج الوّھاج، کتاب النّکاح، تحت قوله: ولا بأس بأن یجمع بین امرأت...إلخ، ص۱۵، مخطوط مصوّر

[2] الفتاوی الھندیة، کتاب النکاح، الباب الثالث فی بیان المحرّمات، القسم السّادس المحرّمات التی یتعلّق بھا حق الغیر، ۱/ ۲۴۳

[3] النّساء: ٤/ ٢٤

کبیرہ گناہوں سے توبہ کریں۔ 1

اِسی طرح ایک اور مقام پر امامِ اہلسنت نے فرمایا: یہ نکاح نہ ہوئے محض زنا ہوئے، قال الله تعالیٰ: ﴿وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ﴾ 2 اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں۔ عورت اَب جس کے پاس ہے، اُس پر قطعی فرض ہے کہ عورت کو اپنے پاس سے الگ کردے اور نکال دے اور عورت پر فرضِ قطعی ہے کہ اُس سے جُدا ہو جائے اپنے خاوند عمرو کے پاس آئے۔ 3

اِسی طرح صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: دوسرے کی منکوحہ سے نکاح نہیں ہو سکتا بلکہ اگر دوسرے کی عدّت میں ہو جب بھی نہیں ہو سکتا۔ 4

اور عدّت کے دوران بھی عورت سے نکاح کرنا یا صراحتًا نکاح کا پیغام دینا، ناجائز و حرام ہے البتہ عدّتِ وفات میں اشارۃً نکاح کا پیغام دینا جائز ہے اور اگر طلاقِ رجعی یا طلاقِ بائن یا فسخِ نکاح کی عدّت ہو تو اُس میں اشارۃً بھی نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں۔

چنانچہ اللہ عزّوجلّ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

---

1 فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، باب المحرمات، ۱۱/ ۳۱۴
2 النساء: ٤/ ٢٤
3 فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، باب المحرمات، مسئلہ نمبر: ۱۶۱، ۱۱/ ۳۱۶
4 بہارِ شریعت، مسائل فقہیہ، محرمات کا بیان، ۲/ ۳۳

﴿ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ ﴾ ❶

ترجمہ: اور تم پر گناہ نہیں اِس بات میں جو پردہ رکھ کر تم عورتوں کے نکاح کا پیام دو یا اپنے دل میں چھپار کھو۔ (کنز الایمان)

اور اِس آیت کے تحت صدر الافاضل سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: یعنی عدّت میں نکاح اور نکاح کا کُھلا ہوا پیام تو ممنوع ہے؛ لیکن پردہ کے ساتھ خواہشِ نکاح کا اظہار گُناہ نہیں مثلاً یہ کہے کہ تم بہت نیک عورت ہو یا اپنا ارادہ دل ہی میں رکھے اور زبان سے کسی طرح نہ کہے۔ ❷

اِسی وجہ سے فقہائے کرام نے بھی فرمایا کہ عدّت میں عورت کو نکاح کا پیغام دینا حرام ہے سوائے عدّتِ وفات کے کہ اُس میں اشارۃً پیغامِ نکاح میں حرج نہیں۔

چنانچہ علامہ برہان الدین علی بن ابو بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ ❸ لکھتے ہیں: ولا ينبغي أنْ تُخطب المعتدَّة و لابأس بالتعريضِ فِي الخِطبة، لقولِه تعالىٰ: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ ﴾ ❹

یعنی، اور عدّت گزارنے والی عورت کو صراحۃً نکاح کا پیغام نہیں دینا چاہیے اور اشارۃً نکاح کا پیغام دینے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور

---

❶ البقرۃ: ۲/ ۲۳۵

❷ خزائن العرفان، سورۃ البقرۃ، تحت الآیۃ: ۲۳۵، ص ۶۹

❸ الهداية شرح بداية المبتدى، كتاب الطّلاق، باب العدّة، ۲/ ۳۲۰

❹ البقرۃ: ۲/ ۲۳۵

تم پر گناہ نہیں اس بات میں جو پردہ رکھ کر تم عورتوں کے نکاح کا پیام دو یا اپنے دل میں چھپا رکھو"۔(کنزالایمان)

یونہی علامہ ابو البرکات نسفی[1] لکھتے ہیں: وَلا بَأس بِالتعریض فِی الخِطبۃِ لِقوله تعالیٰ﴿وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ﴾-إلیٰ أنْ قال ﴿اِلَّاۤ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾[2] والتَّعریض أنْ یَّذکر شیئًا تَدلُّ بهٖ علی شیءٍ لَم تَذکرہ کما یقولُ لِلمُحتاجِ إلَیه جِئتُك لأسلّمَ عَلیك...وَالتعریضُ فِی الخطبۃِ أن یّقول لها إنّكِ لَجمیلَۃ أو صَالحۃ و مِن غرضِ أنه أتَزوج و عسی الله أن یسّرَ لی إمرأۃً صالحۃً و نحو ذٰلك مِن الْكَلامِ.

یعنی، نکاح کے پیغام میں اشارہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اللہ پاک نے فرمایا: **"اور تم پر گناہ نہیں اِس بات میں جو پردہ رکھ کر تم عورتوں کے نکاح کا پیام دو یا اپنے دل میں چھپا رکھو۔"** یہاں تک کہ فرمایا **"مگر یہ کہ اتنی ہی بات کہو جو شرع میں معروف ہے"**۔اور اشارہ یہ ہے کہ تو ایسی چیز کا ذکر کرے جس سے دوسری شے کہ جس کا ذکر نہ کیا ہو اُس پر دلالت ہو، جیسا کہ وہ کسی ضرورت مند کو کہتا ہے کہ میں تمہارے پاس تمہیں سلام کرنے کے لئے آیا ہو، اور نکاح کے پیغام میں اشارہ کرنے کی صُورت یہ ہے کہ مرد عورت سے کہے: تم خوبصورت ہو یا نیک ہو جبکہ غرض نکاح کرنا ہو، اور قریب ہے کہ اللہ پاک مجھے کوئی نیک عورت میسر کر دے اور اس جیسا

---

[1] الکافی فی شرح الوافی، کتاب النکاح، فصل فی المتوفی، ۲/ ۹۳، مخطوط مصوّر
[2] البقرۃ: ۲/ ۲۳۵

کوئی اور کلام کرے۔

اور علّامہ محمد بن عبد اللہ بن احمد تمر تاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ اور علّامہ علاؤالدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:(وَالمعتدّۃُ تحرمُ خطبتھاوَصح التعریض)کأُرید التّزوج(لَومعتدّۃُ الوفاۃِولا تُخرج مُعتدّۃُ رجعیٍ و بائنٍ) ❶

یعنی، اور عدّت گزارنے والی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجنا حرام ہے اور اگر وفات کی عدّت گزارنے والی ہو، تو اشارۃً نکاح کا پیغام دینا درست ہے مثلاً: یہ کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں، اور طلاقِ رجعی اور طلاقِ بائن کی عدّت گزارنے والی عورت (اس حکم سے) خارج نہیں ہوگی۔

''تنویر'' کی مذکورہ عبارت کے تحت علّامہ محمد بن ابو بکر بروسی حنفی ❷ لکھتے ہیں:لقَوله تعالیٰ ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ﴾❸ والتعریض مثل أنْ یقول:إنی أُریدأن أتزوّج أو یقُول:أنك لجمیلة أولصَالحة ونحو ذٰلك من کلام دالّ علی إرادة تزوّجِھامن غَیر تصریح،و أمّاإذا کانت معتدّة طلَاق فلا یجوز التعرِیض لأنّه إنْ کان رَجعیاًفالنکاح قَائم بینھماوإنْ کان بائناً فلایمکن التَعریض علی وجه لَایقف علیه النَاس لأنھالاتخرج

❶ تنویر الأبصار مع شرحه الدُّر المختار،کتاب الطّلاق،فصل فی الحدّاد،ص ۲۵۰
❷ تبصرة الأنوار شرح تنویر الأبصار،کتاب الطلاق،باب العدّة،فصل فی بیان الحدّاد، تحت قوله:معتدّة الوفاة،ق ۱۹۲/ ب،مخطوط مصور
❸ البقرة:۲/ ۲۳۵

لیلاً و لانہاراً.

یعنی، (وفات کی عدّت والی کو اشارۃً نکاح کا پیغام دینا) اللہ عزّوجلّ کے اِس فرمان: "اور تم پر گُناہ نہیں اِس بات میں جو پردہ رکھ کر تم عورتوں کے نکاح کا پیام دو" کی وجہ سے (جائز ہے) اوراشارۃ پیغامِ نکاح کی مثال یہ ہے کہ وہ شخص کہے کہ میں نکاح کاارادہ رکھتاہوں یاکہے کہ توخوبصورت ہے یانیک ہے اوراس طرح کاکلام کہ جوبغیر صراحت کے اُس سے نکاح کے ارادہ پر دلالت کرے اوراگروہ عدّتِ طلاق والی ہو، تواُسے اشارۃً بھی نکاح کاپیغام دیناجائز نہیں ہے؛کیونکہ اگر طلاق رجعی ہے، تونکاح اُن دونوں کے درمیان قائم ہے اوراگر بائن ہے، تو تعریض ممکن نہیں کہ لوگ اِس پرواقف نہیں ہوسکتے؛کیونکہ وہ نہ دن میں نکل سکتی ہے نہ رات میں۔

اور "تنویر" کی مذکورہ عبارت کے تحت امامِ اہلسنت لکھتے ہیں: أطلق إطلاقًا ولَم یضفه إلَیها فکان مِن التَّعْریض بِخلاف أریدُ أنْ أتزوّجك فإنّه خِطبة صَریحَةٌ قطعا فَیحرم. (1)

یعنی، کسی شخص نے مطلقاً کہااور نکاح کی اضافت عورت کی طرف نہیں کی تو یہ اشارہ کرناہو گابر خلاف یہ کہے کہ میں تجھ سے نکاح کرناچاہتاہوں؛کیونکہ یہ صراحتاً نکاح کاپیغام دیناہے، لہٰذایہ پیغام دیناحرام ہو گا۔

اِسی طرح عدّت میں نکاح کاپیغام دینے کے حوالے سے امام اہلسنت فرماتے ہیں: عدّت میں نکاح کاپیام دینا بھی حرام ہے اور اگر پیام نہیں، مثلاً اُس کے گھر والے

(1) جدّ الممتار علی ردّ المحتار، کتاب النکاح، فصل فی الحدّاد، تحت قوله: صحّ التعریض... الخ، ۵/ ۲۳۷

دریافت کریں کہ نکاحِ ثانی کا ارادہ ہے یا کیا، تو حرج نہیں۔ ❶

یونہی صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی لکھتے ہیں: جو عورت عدّت میں ہو اُس کے پاس صراحۃً نکاح کا پیغام دینا حرام ہے اگرچہ نکاحِ فاسد یا عتق کی عدّت میں ہو اور موت کی عدّت ہو تو اشارۃً کہہ سکتے ہیں اور طلاقِ رجعی یا بائن یا فسخ کی عدّت میں اشارۃً بھی نہیں کہہ سکتے۔ ❷

لہٰذا سوال میں ذِکر کردہ بیان دُرست ہے تو اُس دیندار آدمی سے نکاح شرعاً دُرست ہے اور اِس کا طریقہ کار یہ ہے کہ عورت دو گواہوں کی موجودگی میں نئے مہر کے ساتھ اُس دیندار آدمی سے ایجاب کرے اور وہ آدمی قبول کرلے یا وہ ایجاب کرے اور عورت قبول کرلے مثلاً دونوں میں سے ایک کہے کہ میں نے اتنے اتنے مہر پر تجھ سے نکاح کیا اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا۔

والله تعالیٰ أعلم بالصواب

JIA-1264 ۱۷ ربیع الاول، ۱۴۳۷ھ، ۶ دسمبر، ۲۰۱۷م

شرابی کا ڈرانے کی نیت سے بیوی کا نام لئے بغیر طلاق دینا

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ شوہر مُسمّٰی کاشف حنیف نے اپنی بیوی رُباب بنت فاروق کو حمل ساقط کروانے کے لئے کہا جس پر بیوی نے شوہر کو فون کر کے حمل ساقط کرانے کی ممانعت کے

❶ فتاویٰ رضویہ، کتاب الطلاق، باب الحداد، ۱۳/ ۳۳۲

❷ بہارِ شریعت، مسائل فقہیہ، سوگ کا بیان، ۲/ ۲۴۴

بارے میں سمجھایا کہ یہ گُناہ ہے، اِس پر اُس نے کہا: بھلے، پھر اُس نے طلاق طلاق کہا تو بیوی نے فون بند کر دیا، جب شوہر سے فاروق انور (مذکورہ شخص کے سسر) اور فاروق امین کے سامنے پوچھا گیا تو اُس نے کہا: دو پر فون کٹ گیا تھا اور اس کے بعد میں نے تیسری بار بھی طلاق کہا تھا اور کہا میں صرف ڈرانے کے لئے کہہ رہا تھا اور جب اُس سے پوچھا گیا کہ یہ توکسے کہہ رہا تھا؟ تو اُس نے کہا کہ میں اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا اور اُس نے یہ بھی بتایا کہ میں اُس وقت پیئے ہوئے تھا (یعنی شراب پیئے ہوئے تھا) اور اُس سے بار بار پوچھنے پر اُس نے کہا کہ اُس نے صرف یہ لفظ ادا کئے اور آگے پیچھے کچھ نہیں کہا کہ "تجھے طلاق یا میری بیوی کو طلاق" وغیرہ، اب اِس صُورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟ (سائل: c/o فاروق ناگوری، لیاری، کراچی)

باسمه تعالیٰ و تقدس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور مُسمّات رُباب بنت فاروق انور اپنے شوہر مسمّیٰ کاشف حنیف پر حُرمتِ مُغلّظہ کے ساتھ حرام ہو گئی کہ اب بے حلالۂ شرعیّہ دوبارہ حلال نہ ہو گی۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ [1]

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اُسے دی تو اب وہ عورت اُسے حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنز الایمان)

---

[1] البقرۃ: ۲/ ۲۳۰

اور اُس کا یہ کہنا کہ میں صرف ڈرانے کے لئے کہہ رہا تھا، اِس کا جواب یہ ہے کہ طلاق اُن اُمور میں سے ہے کہ جس کا سچ تو سچ ہے مگر جھوٹ بھی سچ ہے۔

چنانچہ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ (1) ، امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ (2) ، امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ (3) اور امام ابوالحسن علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ (4) اپنی اپنی سندوں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: قَالَ رَسُولُ اللهِ: ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزَلُهُنَّ جِدٌّ: النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجعَةُ.

یعنی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں سنجیدگی میں بھی سنجیدگی ہیں اور مذاق میں بھی سنجیدگی ہیں: نکاح، طلاق اور رَجعَت۔

اور اُس کا یہ کہنا کہ میں نشے میں تھا، تو اِس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ وہ ہوش وحواس میں تھا کیونکہ سوال میں وہ خود اقرار کر رہا ہے کہ "میں ڈرانے کے لیے کہہ رہا تھا" اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر وہ واقعی نشے میں تھا تو نشے والے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

---

(1) سُنَن الترمذی، کتاب الطّلاق و اللّعان، باب ما جاء فی الجدّ و الهزل فی الطلاق، برقم: ۱۱۸٤، ۲ / ۲٤۰

(2) سُنَن أبي داؤد، کتاب الطّلاق، باب فی الطلاق علی الهزل، برقم: ۲۱۹٤، ۲/ ٤٤۷

(3) سُنَن ابن ماجة، کتاب الطّلاق، باب من طلّق أو نكح أو راجع لاعباً، برقم: ۲۰۳۹، ۲/ ۵۰۵

(4) سُنَن الدّارقطنی، کتاب الطلاق، برقم: ۳۸۹۵، ۲/ ٤/ ۱۳

چنانچہ علاّمہ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابو شیبہ کوفی متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں: قال: طلاقُ السُّکران جائزٌ.

یعنی، (حضرت مجاہد) نے کہا سُکران (نشے میں مست) کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

اور امام حسن اور محمد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: قالا: طلاقُه جائزٌ ویوجَعُ ظَهْرُهُ.

یعنی، نشے والے کی طلاق واقع ہوتی ہے اور اُس کی پیٹھ پر مارا جائے۔

اور سعید بن مسیب کا فرمان نقل کرتے ہیں: قال: طلاقُ السُّکران جائزٌ.

یعنی، سُکران (نشے والے) کی طلاق واقع ہوتی ہے۔

اور عمر بن عبد العزیز کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: أجازَ طلاقَ السُّکران وجلَدَهُ.

یعنی، (حضرت عمر بن عبد العزیز) نشے والے کی طلاق کو جائز قرار دیتے اور اُسے کوڑے مارتے۔

اور ابراہیم نخعی کا فرمان نقل کرتے ہیں: قال: طلاقُه جائزٌ.

یعنی، ابراہیم نخعی نے فرمایا نشے والے کی طلاق جائز ہے۔

اور حضرت میمون کا ارشاد نقل کرتے ہیں: قال: یجوزُ طلاقُه.

یعنی، میمون نے فرمایا اس کی طلاق جائز ہے۔

اور حُمید بن عبد الرحمن کا ارشاد نقل کرتے ہیں: قال: يجوزُ طلاقُ السُّكران.

یعنی، حُمید بن عبد الرحمن نے کہا اُس کی طلاق واقع ہے۔

اور حضرت عمر کا عمل بیان کرتے ہیں: أجازَ طلاقَ السُّكران.

یعنی، حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے نشے والے کی طلاق کو جائز قرار دیا۔

اورامام زہری رضی اللہ عنہ کا عمل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قال: إذا طلَّقَ وأعتَقَ جازَ عليه وأُقيمَ عليه الحدُّ.

یعنی، امام زہری نے فرمایا نشے والا جب طلاق دے یا غلام آزاد کرے (تو طلاق ہو جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا) اور اُس پر حد قائم کی جائے گی۔

اورمام شعبی سے نقل کرتے ہیں: قال: يجوزُ طلاقُهُ والحدُّ في ظَهْرِه.

یعنی، امام شعبی نے فرمایا نشہ والے کی طلاق جائز ہے اور اُس کی پیٹھ پر حد لگے گی۔

اور حضرتِ حکم سے بیان کرتے ہیں: قال: من طلَّقَ في سُكرٍ من الله فليس طلاقُهُ بشيءٍ، ومن طلَّقَ في سُكرٍ من الشيطان فطلاقُهُ جائزٌ.

یعنی، حکم نے کہا جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کے نشے میں طلاق دے تو اُس کی طلاق کچھ نہیں اور جو شیطانی نشے میں طلاق دے تو اُس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔

اور حضرت شریح کا فرمان نقل کرتے ہیں:قال: طلاقُ السُّکران جائزٌ. ❶
یعنی، قاضی شریح فرماتے ہیں سُکران (نشے والے) کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔
امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک کے قول کے مطابق بھی نشے والے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

چنانچہ شارحِ بخاری علاّمہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:ذَهب مُجاهدٌ إلى أنّ طلاقهُ يَقعُ وكذا قاله محمدٌ والحسن وسَعيد بن المُسيب وإبراهيم بن يزيدَ النّخعِي وميمون بن مهرانَ وحميدُ بن عبد الرحمنِ وسُليمان بن يسارَ والزهريُّ والشَّعبي وسالِم بن عبد الله والأوزاعيُّ والثَّوري وهو قول مالكٍ وأبي حَنيفةَ. ❷

یعنی، امام مجاہد اِس طرف گئے ہیں کہ نشے والے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اِسی طرح محمد، حسن، سعید بن مسیّب ، ابراہیم بن یزید نخعی، میمون بن مہران، حمید بن عبد الرحمن، سلیمان بن یسار، زُہری، شعبی، سالم بن عبد اللہ، اَوزاعی اور ثوری نے بھی یہی فرمایا کہ سُکران (نشہ والے) کی طلاق واقع ہوتی ہے اور یہی امام

---

❶ المُصنّف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق،باب من أجازه طلاق السكران،٤/ ٣١-٣٠، برقم: ١-٣-٤-٥-٦-٨-٩-١٠-١٣-١٤-١٥-١٦
❷ عمدة القارى شرح صحيح البخارى،كتاب الطلاق،باب الطلاق فى الأغلاق ...إلخ،تحت قوله:فى الإغلاق،١٤/ ٢٦٠

مالک اور امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

اِسی وجہ سے فقہاءِ احناف نے یہ مسئلہ تحریر فرمایا ہے کہ نشے والے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

چنانچہ علّامہ شرف الدین ابو حفص عمر بن محمد بن عمر انصاری عقیلی بخاری حنفی متوفی ۵۷۶ھ لکھتے ہیں: طَلاق المکرَہ والسُّکران والهازِل واقع. (1)

یعنی، مجبور، نشہ والے اور مذاق کرنے والے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

اور علاّمہ ابو بکر بن علی حدّاد زبیدی حنفی متوفی ۸۰۰ھ لکھتے ہیں: وأمّا السکرانُ من الخَمر و النَّبیذ فطلاقه واقعٌ فی قَول عامّة أصْحابِنا. (2)

یعنی، اور جہاں تک شراب اور نبیذ کے نشے میں مست شخص کی بات ہے، تو ہمارے اکثر اصحاب کے قول کے مطابق اُس کی طلاق واقع ہوتی ہے۔

اور سوال مذکور میں اضافت اگرچہ لفظ میں نہیں ہے مگر ارادے اور نیت میں موجود ہے، اِس لئے طلاقیں واقع ہو گئیں۔

چنانچہ صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: طلاق واقع ہونے کے لئے اپنی عورت کی طرف

---

(1) المنهاج فی فقه الحنفیة، کتاب الطلاق، باب صریح الطلاق ونحوه، ۲ / ۱۷۵، ضبط متنه واعتنى به: عمر مصطفى أحمد إبراهيم

(2) السّراج الوهّاج شرح مختصر القدوری، کتاب الطّلاق، تحت قوله: و طلاقُ المکرَه و السّکران... إلخ، ص ۱۹۱، مخطوط مُصوّر

اضافت ضروری ہے، "دُرِّ مختار" میں ہے:لَمْ يَقعْ لتَركه الْإضافةَ إليها. ❶ (طلاق واقع نہیں ہوگی؛ کیونکہ اس نے عورت کی طرف طلاق کی اضافت کو ترک کیا ہے) مگر اضافت کا لفظ میں ہونا ضروری نہیں ہے، مثلاً تجھ کو یا تجھے طلاق ہے، یا اُس کا نام لے کر کہا کہ اُسے طلاق ہے، بلکہ اضافت اگر لفظوں میں نہ ہو مگر شوہر کی نیت اور مُراد میں ہو جب بھی طلاق ہو جائے گی، "رَدّ المحتار" میں ہے:ولا يَلزم كون الإضافةِ صَريحةً في كلامه؛لما في "البَحر" ❷ لَو قال:طالِقٌ فقيل لَه مَنْ عَنَيْتَ؟فَقال امْرَأتِي طَلُقتْ امْرَأتهُ. ❸ (اُس کے کلام میں اضافت کا صریح ہونا لازم نہیں کیونکہ "البحر" میں ہے: اگر مرد نے کہا طالِقٌ (طلاق والی)، اُسے کہا گیا تو نے کس کا ارادہ کیا؟ اُس نے کہا اپنی بیوی کا تو اُس کی بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی) لہٰذا صُورتِ مُستَفسَرہ میں اگرچہ زید کے کلام میں صراحتاً عورت کی طرف اضافت مذکور نہیں، مگر اِس کہنے سے اگر اُس کی مراد اپنی زوجہ کو طلاق دینا ہے، تو اُسے تین طلاقیں ہو جائیں گی اور اگر یہ مراد نہ ہو تو وُقوعِ طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ❹

واللہ تعالی أعلم بالصواب

---

❶ الدُّر المختار، كتاب الطّلاق، باب الصَّريح، تحت قوله: كطلقتك وأنت طالق ومطلقة، ص ٢٠٧

❷ البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الطلاق، باب الطلاق، تحت قوله: الصريح كانت طالق الخ، ٣/ ٤٤٢

❸ ردّالمحتار على الدُّرالمختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، تحت قوله لتركه الإضافة، ٤/ ٤٤٤

❹ فتاویٰ امجدیہ، کتاب الطلاق، اضافت کا بیان، ٢/ ٢٢٩

JIA-1237 یوم الإثنین، ٢٩ صفر المظفر ١٤٣٦ھ، ٢٢ دیسمبر ٢٠١٤ م

مقروض کو کہے بغیر قرض ادا کرنے کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ زید کا عمرو پر کسی کاروباری معاملے میں قرض ہو گیا اور عمرو کے پاس اتنا پیسہ نہیں کہ وہ اُس قرض کو ادا کر سکے اور نہ وہ خود داری کی وجہ سے کسی سے اُس رقم کی ادائیگی میں مدد لیتا ہے اور نہ ہی وہ زکوٰۃ کی رقم لے کر اُس قرض کو ادا کرنا چاہتا ہے، تو بکر چاہتا ہے میں عمرو کا قرض ادا کر دوں اب ڈر اِس بات کا ہے کہ وہ اگر عمرو سے اِس کی اجازت مانگے گا تو وہ اجازت نہیں دے گا، تو کیا بکر، عمرو کی اجازت کے بغیر اس کا قرض ادا کر دے تو کر سکتا ہے یا نہیں اور وہ قرض ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

(سائل: حاجی عارف برکاتی، جمشید روڈ، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدّس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں بکر، عمرو کا دین (قرض) عمرو کی اجازت کے بغیر ادا کر دے تو ادا ہو جائے گا۔

اور شرعاً یہ حوالہ کی صُورت ہے جس میں ایک مدیون (مقروض) ہوتا ہے دوسرا دائن (قرضخواہ) اور تیسرا وہ جو مدیون کے دین (مقروض کے قرض) کو اپنے ذمہ لینے والا ہوتا ہے اور حوالہ تینوں کی باہمی رضا سے ہوتا ہے جن میں سے آخری دو کی رضا مختار قول کے مطابق صحتِ حوالہ کے لئے شرط ہے۔

چنانچہ علّامہ سراج الدین علی بن عثمان اوسی حنفی متوفی ٥٦٩ھ لکھتے ہیں:
الحَوالة بالدّیون جائزة برضا المُحیل، و المحتَال له والمُحتال علیه

ورُوی لا یشترطُ رِضا مَن علیه الدَّین.❶

یعنی، دیون (قرضوں) کا حوالہ محیل (مقروض)، محتال لہ (قرض دہندہ) اور محتال علیہ (جو دَین اپنے ذمہ لے) کی رضا سے جائز ہے، اور مروی ہے کہ مقروض کی رضا (جوازِ حوالہ کے لئے) شرط نہیں ہے۔

اور حافظ الدین ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ اور علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: وتصِحّ (برضاالمحتال) وهُو الدّائن لأن الدَّین حقّه وهٰذابالإجماع إلا روایة عنْ أحمد(و) بِرضی (المحتال علیه) وهو الّذی یقبَل الحوالة؛لأنّه یلزمُه بالحوالة.❷

یعنی، حوالہ محتال (قرض خواہ) کی رضا کے ساتھ درست ہوتا ہے؛ کیونکہ قرض اُس کا حق ہے اور یہ بالاجماع ہے سوائے امام احمد کی روایت میں اور محتال علیہ کی رضا کے ساتھ درست ہوتا ہے اور یہ وہ شخص ہے جو حوالہ قبول کرتا ہے؛ کیونکہ یہ قرض کو حوالہ کے ذریعے لازم کرلیتا ہے۔

اور علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: شُرِطَ لصحّتها رضا الکُلّ بلا خلافٍ إلّا فی الأوّل وهو المُحیل فلایشترطُ علی المُختار.❸

یعنی، صحتِ حوالہ کے لئے تینوں کی رضا بلا خلافِ شرط ہے سوائے اوّل کے اور وہ مُحیل (مقروض) ہے، تو مختار قول کے مطابق اُس کی رِضا (صحتِ حوالہ کے لئے) شرط

❶ الفتاویٰ السراجیة، کتاب الحوالة، ص۱۳۱
❷ رمزالحقائق شرح کنزالدّقائق، کتاب الحوالة، ۲/ ۱۱۲
❸ الدّر المختار، کتاب الحوالة، ص٤٦١

نہیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ صحتِ حوالہ کے لئے محتال لہ (قرض خواہ) اور محتال علیہ (جو دوسرے کا دَین اپنے ذمّہ لے) کی رضا بالاتفاق شرط ہے۔

اور دائن (یعنی قرض دینے والا) کی رضا اِس لئے کہ دَین (قرض) اُس کا حق ہے اور حُسنِ ادائیگی اور ٹال مٹول کرنے میں لوگوں کی عادات مختلف ہیں تو اُس کی رضا ضروری ہے تاکہ اُس کا نقصان لازم نہ آئے اور محتال علیہ (جس نے دین اپنے ذمّہ لیا ہے) کی رضا اِس لئے کہ اُس پر دَین کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اور لُزوم بلا التزام نہیں ہوتا اور اِس کے علاوہ مطالبہ و تقاضہ کرنے میں لوگوں میں اختلاف ہوتا ہے، کچھ تو نرمی سے مانگتے ہیں اور کچھ سختی سے اِس لئے صحتِ حوالہ کے لئے اُس کی رضا ضروری ہے۔ باقی رہا محیل (مقروض) تو اُس کی رضا ضروری نہیں کیونکہ التزامِ دین (دَین کو اپنے ذمّہ لازم کرلینا) جس نے دَین (قرض) اپنے ذمّہ لیا اس کا اپنی ذات میں تصرّف کرنا ہے جس سے مدیون (مقروض) کا کوئی بھی نقصان نہیں بلکہ اس کا تو فائدہ ہے کہ دنیا و آخرت میں حَقُّ العبد سے بَری ہوا کیونکہ اُس کی طرف سے قرض ادا کرنے والے نے قرض اُس کے کہنے سے نہیں بلکہ اپنے طور پر ادا کیا ہے اِس لئے اُس کی رضا ضروری نہیں۔

چنانچہ علّامہ علاؤالدین حصکفی اور علّامہ سیّد محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: (فلا یُشترط علی المختار) هُو روايةُ "الزِّيادات" [1] قال فيها: لأنّ التزام الدين من المحتال عليه تصرّفٌ في حقّ نفسه والمُحيل

[1] شرح الزیادات، کتاب الحوالۃ، ٦/ ١٨٩٠

لا یتضرّر بل فیه منفعةٌ لأنّ المُحال علیه لا یَرجعُ إذا لم یکن بأمره. ❶

یعنی، "مختار قول کے مطابق مدیون کی رضا شرط نہیں" یہ "الزِّیادات" کی روایت ہے (امام محمد نے) اِس میں فرمایا: کیونکہ محتال علیہ کی طرف سے دَین (قرض) کا التزام اُس کا اپنی ذات میں تصرّف ہے اور محیل (مقروض) کو اِس سے ضرر نہیں پہنچتا بلکہ (اُس کو تو) اِس میں نفع ہے، کیونکہ اپنی طرف سے دَین (قرض) ادا کرنے والا وہ دین اُس سے نہیں مانگے گا جبکہ مدیون (مقروض) نے اُسے دین (قرض) ادا کرنے کا نہ کہا ہو۔

یاد رہے کہ اِس صُورت میں بکر عمرو کا قرض ادا کرنے کے بعد عمرو سے اِس رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتا جو اُس نے عمرو کی طرف سے زید کو ادا کیا ہے کیونکہ اُس نے یہ رقم عمرو کے کہنے سے ادا نہیں کی اور اگر کہنے سے ادا کی ہوتی تو بکر کو عمرو سے اُس رقم کے مطالبے کا حق ہوتا۔

چنانچہ فقیہِ کبیر امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۷ھ لکھتے ہیں: ولَو کان المحتَال علیه ضَمن عن الّذی علیه الأصل بغیر أمرِه أو أدّاه المحتال علیه أو أدّاه عنه غَیره بأمرِه أو بغیر أمْره لم یرجع واحِد منهما علی صاحبه بقلیلٍ ولا کثیرٍ لأن الّذی کان علَیه الأصل کان متطوعاً فیما أدّی عن المحتال علیه لأنّ المحتال علیه لم یَکن علیه أنْ یأخذه بتخلیصِه حتیٰ یؤدّی عنه شیئاً فإنما أدّی الذِی علیه الأصل عن نَفسه لا عنه فلا یرجع علیه بشیءٍ أبداً. ❷

❶ الدُّر المختار مع حاشیته ردّالمحتار، کتاب الحوالة، ۸/ ۸
❷ الأمالی للإمام محمد، أملی فی الکفالة والحوالة، ق ۳۷

یعنی، اور اگر محتال علیہ، اصیل (مقروض) کی اجازت کے بغیر ضامن ہوا یا محتال علیہ یا کسی اور نے، اصیل کی اجازت یا بغیر اجازت کے قرض ادا کر دیا، تو اِن میں سے کوئی بھی اصیل پر رُجوع نہیں کر سکتا خواہ قرض قلیل ہو یا کثیر؛ کیونکہ جو مقروض پر ہے وہ تطوّع ہوا اُس میں جو محتال علیہ کی جانب سے ادا کیا گیا اور اس وجہ سے کہ محتال علیہ پر اصیل کو چُھڑانا لازم نہیں تھا، لہذا جو اُس نے ادا کیا وہ (ایسا ہی ہے جیسے) اصیل نے خود ادا کیا، لہذا وہ اُس سے کبھی بھی رُجوع نہیں کر سکتا۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب

یوم السبت، ١٣/ رجب المرجب، ١٤٢٦ھ-١٩/ أغسطس، ٢٠٠٥م JIA-644

غیر مملوکہ چیز کو بیچنے کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، والد کے انتقال کے بعد ہم پانچ بھائیوں نے مل کر اپنے ذاتی پیسوں سے ایک دکان خریدی، اُس میں ہم پانچ بھائیوں، تین بہنوں اور والدہ کیا کیا حصہ ہو گا؟ اُس میں اگر میری والدہ دکان بیچنے پر رضامند نہ ہوں تو شریعت کا کیا حکم ہے؟ (سائل: سہیل، کھارادر، کراچی)

باسمہ تعالیٰ و تقدس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں یہ دکان پانچ بھائیوں میں برابر تقسیم ہو گی کیونکہ اُس دکان کے مالک پانچ بھائی ہی ہیں، اُن کے علاوہ اُس میں کسی اور کا کوئی حصہ نہیں ہے اور دُکان بیچنے کے لئے والدہ کی رضا ضروری نہیں، اِس لئے دُکان کے مالک صرف پانچ بھائی ہیں نہ کہ اُن کی والدہ؛ کیونکہ

دُکان صرف اُن پانچ بھائیوں نے خریدی ہے، لہٰذا وہی اُس کے مالک ہیں وہ اِس طرح کہ جب اُن پانچ نے دُکان خریدی تو بیچنے والا قیمت کا مالک ہو گیا اور خریدنے والے دُکان کے مالک ہو گئے۔

چنانچہ علّامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: فمِلك البائع الثمن والمشتری المبِیع. ❶

یعنی، بیع کا حکم یہ ہے کہ بیچنے والا قیمت کا اور خریدنے والا شئی کا مالک ہو جاتا ہے۔

لہٰذا جب والدہ نے وہ دکان خریدی ہی نہیں، تو وہ اُس کی مالکہ بھی نہیں اور کسی چیز کو بیچنے کے لئے اُس کا مالک ہونا ضروری ہے۔

چنانچہ علّامہ سید محمد امین ابنِ عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: وَ شرط المعقُود علَیه ستة کونه موجوداً مالاً متقوّماً مملوکا فی نفسه. ❷

یعنی، جس چیز کو بیچا جائے اُس کی چھ شرطیں ہیں، وہ شی موجود ہو، مالِ متقوم ہو اور اپنی ملکیت میں ہو۔

ہاں اگر باہمی رضامندی سے کُل میں سے یا کوئی اپنے حصّے میں سے اپنی والدہ یا اپنی تمام یا کسی بہن کو کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے اور اِس پر وہ ثواب پائیں گے۔

چنانچہ قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ

---

❶ البنایةشرح الهدایة، کتاب البیوع، تحت قوله: کتاب البیوع، ۸/ ۳

❷ ردّالمحتار علی الدُّر المختار، کتاب البیوع، تحت قوله: و شرطه أهلیة المتعاقدین، ۷/ ۱۳

التَّقْوٰی۔ ❶

ترجمہ: اور نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ (کنز الایمان)

اور امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں: تَهَادَوْا فَإِنَّ الهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ. ❷

یعنی، آپس میں تحائف دو کہ تحفہ دینا دِلوں کے مَیل کو دُور کرتا ہے۔

اور والدہ کو شرعاً حق نہیں پہنچتا کہ وہ بیٹوں کے اِس کام میں رکاوٹ بنے اور اگر وہ اِس دکان کو بیچ دیں تو بیچ سکتے ہیں کیونکہ وہ اِس کے مالک ہیں اور مالک کو اپنی مِلک میں تصرّف کا پورا حق ہوتا ہے۔

جیسا کہ امام علاؤالدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں: المالك للشيء هُو الّذى يتصرّفُ فيه باختيارِ و مشيتهِ. ❸

یعنی، کسی چیز کا مالک وہ شخص ہے جو اپنے اختیار اور مرضی سے اُس میں تصرّف کرے۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الخمیس، ٤ جمادی الأولیٰ ١٤٣٥ھ، ٦ مارس ٢٠١٤م JIA-1211

زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کا حکم اور طریقہ

❶ المائدة: ٥/ ١

❷ سُنَن التِرمذی، کتاب الولاء والهبة، باب فی حثّ النبی صلی اللہ علیه واله وسلم علی التهادی، برقم: ٢١٣٠، ٣/ ١٨٦

❸ بدائع الصّنائع، کتاب النکاح، فصل فی بیان ما یبطل به الخیار، ٣/ ٥٩٥

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ میری بانو بی نے اپنی زندگی میں مکان میرے چھوٹے بھائی کو بطورِ گفٹ دے دیا تھا، اوراب میرے چھوٹے بھائی کا انتقال ہو چکا ہے جب کہ اُس مکان کی خرید و فروخت یا محنت میں بھائی کا کچھ بھی ہاتھ نہیں ہے، سب محنت میں نے اور میری دو بہنوں نے کی ہے، اِس لئے کہ جب ہم انڈیا سے آئے تو صرف ہم دو بہنیں والدہ اور میں تھا، ہم سب ساتھ رہتے تھے، تومیں نے یہ مکان اپنی والدہ کے نام پر لیا میری شادی کے بعد کچھ ناراضگی کے باعث والدہ نے ہمیں بغیر کچھ دیئے گھر سے نکال دیا، جب میری شادی ہوئی تب بھائی انڈیا سے پاکستان آچکا تھا، اِس کے بعد بقول والدہ کے کہ مجھے کچھ بتائے بغیر بھائی نے دھوکہ سے وہ مکان اپنے نام کروالیا، تو کیا اُس مکان میں میرا حصہ بنتا ہے یا نہیں، بقول عباس کے کہ جو اِن کی طرف سے بات کرنے آئے تھے کہ شریعت کے حساب سے آپ کا حصہ نہیں بنتا تو کیا شریعت میں ایسا ہے کہ ایک بیٹے کو حصّہ دو اور دوسرے کو نہ دو، جب کہ ساری محنت اُسی کی ہو، میری ماں صاحبِ حیثیت ہیں اور میرے چھوٹے بھائی کی بیوی بھی صاحبِ حیثیت ہے، میں اپنی ماں سے اپنا حصّہ چاہتا ہوں لیکن میری والدہ انکار کر رہی ہیں، تو کیا یہ صحیح ہے؟ شریعت کے مطابق کیا میرا کوئی حصّہ بنتا ہے؟ مجھے اِس سوال کا جواب دے کر میری رہنمائی کریں؟ (سائل: سیّد محمد رفیق جہانگیر میاں، کراچی)

باسمہ تعالیٰ وتقدس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں یہ طے کرنا ضروری ہے کہ مکان سید محمد رفیق کا ہے یا اُس کی والدہ کا ہے، یا دونوں کی اُس مکان

میں شراکت ہے۔ اگر مکان سید محمد رفیق کا ہے تو وہی اُس کا مالک ہو گا اور وصال کے بعد اُس کے وُرثاء میں تقسیم ہو گا اور اگر ماں کا ہے اور ماں حیات ہے تو اس کی زندگی میں اُس مکان میں کسی کا حصّہ نہیں، نہ بڑے کا نہ چھوٹے کا، نہ بیٹے کا اور نہ بیٹی کا، وہ خود اُس کی مالک ہے۔ پھر اگر اُس نے اپنی زندگی میں وہ مکان اپنی ایک یا چند اولادوں کو گفٹ کیا ہے اور بلاوجہ شرعی دوسری اولاد کو محروم کیا ہے تو یہ ناجائز و گناہ ہے لیکن کسی اولاد کو اِس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں، ہاں اگر اولاد میں کسی کو کوئی دینی فضیلت حاصل ہے مثلاً وہ عالمِ دین ہے جو علمِ دین میں مصروف رہتا ہے یا زیادہ متقی و پرہیز گار ہے تو اُس کو زیادہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن خیال رہے کہ ماں جس کو بھی اپنا مکان ہبہ (گفٹ) کرے اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اُس مکان پر کامل قبضہ کرلے کیونکہ ہبہ کی تکمیل کے لئے قبضہ شرط ہے اِس لئے قبضہ کے شرعی تقاضے پورے کرنا ضروری ہیں ورنہ ہبہ کے مکمل نہ ہونے کی صُورت میں مکان ماں کی ہی ملکیت میں رہے گا اور وصال کے بعد اُس کے وُرثاء میں تقسیم ہو گا۔

اور ایسی چیز جس کے غیر معیَّن جزء کا ایک شخص مالک ہو اور دوسرا بھی اُس میں شریک ہو اور دونوں کے حصہ معیَّن نہ ہوں تو ایسی چیز کو شریعت کی اصطلاح میں "مُشاع" کہتے ہیں اور مشاع قابلِ تقسیم کا ہبہ تقسیم سے پہلے جائز نہیں ہے۔

چنانچہ علّامہ فخر الدین ابو طالب احمد بن علی بن احمد حنفی لکھتے ہیں: وکان مقسوماً محوّزاً لم یشع أو شایعاً فیه انقسام ممتنع.[1]

---

[1] مستحسن الطرائق فی نظم کنز الدقائق، کتاب الهبة، ق ١١٤/ ب، مخطوط مصور

یعنی: اور ہبہ کی گئی شے تقسیم شدہ ہو اور ایسے جُدا ہو کہ اُس میں شیوع نہ ہو یا شُیوع ہو، تو تقسیم ممتنع ہو۔

لہذا صُورتِ مسئولہ میں اگر مکان بڑے بیٹے اور ماں دونوں کے درمیان مشترک ہے اور ماں اپنی اولاد میں سے کسی کو ہبہ (گفٹ) کرنا چاہے تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ماں اپنا حصہ بڑے بیٹے کے حصہ سے جُدا اور معیّن کرے اور پھر گفٹ کرے۔

اور سُوال میں مذکور ہے کہ چھوٹے بیٹے نے دھوکے سے مکان اپنے نام کروالیا ،اگر یہ بات سچ ہے تو مکان جس کا ہے اُسی کا رہے گا، بڑے بھائی کا ہے تو اُس کا اور اگر ماں کا ہے، تو اُس کا ہوگا، شوہر زندہ ہے اور بیٹے کا انتقال پہلے ہوا جیسا کہ سُوال سے ظاہر ہے، اِس لئے ماں کے انتقال کے بعد چھوٹے بیٹے کی اولاد اور اُس کی بیوہ کو اُس میں سے کچھ نہیں ملے گا اور اگر شراکت پر تھا تو بھی ماں کے حصّے کا یہی حکم ہے۔

اور ایک اولاد کو دینا اور دوسری اولاد کو بلا وجہ شرعی محروم کردینا، ناجائز و گناہ ہے اور حدیث پاک میں اِسے ظُلم فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند سے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: قَالَ رَسُولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَا بَشِیرُ أَلَکَ وَلَدٌ سِوَی ہَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ: أَکُلَّہُمْ وَہَبْتَ

لَهُ مِثْلَ هَذَا؟قَالَ:لَا، قَالَ:فَلَا تُشْهِدْنِي إِذًا، فَإِنِّيلَا أَشْهَدُ عَلٰى جَوْرٍ❶

یعنی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اے بشیر! کیا اِس کے سوا تمہاری کوئی اولاد ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا: جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: کیا اِس کی مثل تم نے سب کو ہبہ کیا ہے؟ تو اُنہوں نے عرض کیا نہیں، اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو مجھے گواہ نہ بناؤ؛ کیونکہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔

اور علاء الدّین علی بن بَلْبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: إِنَّ أَبِي نَحَلَنِي كَذَا وَكَذَا فَأَتَى بِي رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُشْهِدَهُ،فَقَالَ:أَكُلَّ وَلَدِكَ أَعْطَيْتَ مِثْلَ مَا أَعْطَيْتَ؟ فَقَالَ: لَا. فَقَالَ:رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:أَشْهِدْ عَلٰى هٰذَا غَيْرِيْ هٰذَا جَوْرٌ.❷

یعنی، میرے والد نے مجھے فلاں فلاں چیز تحفے میں دی اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے تاکہ اِس پر حضور علیہ الصّلوۃ والسّلام کو گواہ

❶ صحیح مسلم، کتابُ الْهِباتِ،بابُ كَرَاهَةِ تَفْضِيلِ الْأَوْلَادِ...إلخ،برقم: ۱۶۲۳، ۳/ ۱۲۴۳

❷ صحیح ابن حبان،کتابُ الهبة،ذکر خبرٍخامسٍ يُصرِّح...إلخ،برقم: ۵۰۸۴، ۷/ ۲۸۲

بنالیں تو حضور علیہ الصّلوۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا: کیا تم نے اپنے ہر بچے کو اتنا ہی دیا ہے جتنا تم نے اِس کو دیا ہے؟ تو میرے والد نے عرض کی جی نہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِس پر کسی اور کو گواہ بنالو یہ ظلم ہے۔

اِسی لئے فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ بلا وجہ شرعی کسی اولاد کو جائیداد سے محروم کرنے والا گناہ گار ہے ہاں اگر کسی اولاد کو کوئی دینی فضیلت حاصل ہو تو اُسے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ زین الدین بن ابراہیم ابنِ نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں: یکرَہ تَفضیل بعضِ الأولاد علی البعضِ فی الھبة حالةَ الصّحة إلّا لزیادة فضلٍ له فِی الدِّینِ وإنْ وھب مَاله کُلّه الواحد جاز قَضاءً وھُوَآثمٌ.[1]

یعنی، بعض اولاد کو زیادہ تحفہ دینا صحت کی حالت میں مکروہ ہے، اگر وہ دین میں فضیلت رکھتا ہو تو یہ درست ہے اور اگر سارا مال ایک کو دے دیا تو قضاءً جائز ہے لیکن وہ گناہ گار ہو گا۔

اور صدر الشریعہ محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں: بعض اولاد کے ساتھ محبت زیادہ ہو بعض کے ساتھ کم یہ کوئی ملامت کی چیز نہیں؛ کیونکہ یہ فعل غیر اختیاری ہے اور عطیہ میں اگر یہ ارادہ ہو کہ بعض کو ضرر پہنچاوے، تو سب

[1] البحر الرائق شرح کنز الدّقائق، کتاب الھبة، تحت قوله: وھبةالأب لطفلة، ۷/ ٤٩٠

میں برابری کرے کم وبیش نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے ہاں اگر اولاد میں ایک کو دوسرے پر دینی فضیلت وترجیح ہے مثلاً ایک عالم ہے جو خدمتِ علمِ دین میں مصروف ہے یا عبادت ومجاہدہ میں اشتغال رکھتا ہے ایسے کو اگر زیادہ دے اور جو لڑکے دنیا کے کاموں میں زیادہ اشتغال رکھتے ہیں اُنھیں کم دے یہ جائز ہے، اِس میں کسی قسم کی کراہت نہیں، یہ حکم دیانت کا ہے اور قضا کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے مال کا مالک ہے حالتِ صحت میں اپنا سارا مال ایک ہی لڑکے کو دیدے اور دوسروں کو کچھ نہ دے یہ کرسکتا ہے دوسرے لڑکے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کرسکتے مگر ایسا کرنے میں گنہگار ہے۔ (1)

اِسی طرح امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان قادری حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: مذہبِ مفتٰی بہ پر افضل یہی ہے کہ بیٹوں اور بیٹیوں سب کو برابر دے۔ (2)

اور امامِ اہلسنت مزید لکھتے ہیں: بالجملہ خلاف افضلیت میں ہے اور مذہبِ مختار پر اَولیٰ تسویۃ، ہاں اگر بعض اولاد فضل دینی میں بعض سے زائد ہو تو اُس کی ترجیح میں اصلاً باک (حرج) نہیں۔ (3)

اور ہبہ کے مکمل ہونے کے لئے اُس پر کامل قبضہ کرنا شرط ہے۔

چنانچہ علّامہ شمس الدین محمد بن عبد اللہ تُمرتاشی حنفی متوفی ۱۰۰۴ھ

---

(1) بہارِ شریعت، ہبہ کا بیان، مسائل فقہیہ، ۸۰/۳

(2) فتاویٰ رضویہ، کتاب الھبۃ، ۲۳۱/۱۹

(3) فتاویٰ رضویہ، کتاب الھبۃ، ۲۳۱/۱۹

اور علّامہ علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: (وَتَتِمّ) الھبةُ (بِالقبضِ) الکاملِ...لِأن الْقبضَ شَرط تَمَامِها. ❶

یعنی، ہبہ کامل قبضہ سے مکمل ہوتا ہے کیونکہ قبضہ ہبہ کے مکمل ہونے کی شرط ہے۔

اور قبضہ کرنے سے پہلے گفٹ کرنے والے کی ملکیت باقی رہتی ہے۔

چنانچہ علّامہ فقیہ اخی چلپی یوسف بن جنید توقانی حنفی متوفی ۹۰۵ھ لکھتے ہیں: لأنّ القبضَ تصرّف فی ملك الواهبِ لأن ملكَه قبل القبض باقٍ بالاتفاق والتصرف فی ملك الغیر بلاإذنٍ غیر جایز. ❷

یعنی، کیونکہ قبضہ کرنا یہ واہب کی ملکیت میں تصرّف کرنا ہے اور قبضہ سے پہلے واہب کی ملکیت بالاتفاق باقی رہتی ہے اور دوسرے کی ملکیت میں بغیر اجازت تصرّف کرنا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ علّامہ عثمان بن علی مظہر بوسنوی نعمان زادہ حنفی لکھتے ہیں: مِلکه قبل القَبض باقٍ. ❸

یعنی، قبضہ سے پہلے دینے والے کی ملکیت باقی رہتی ہے۔

اور مشاع قابلِ تقسیم کا ہبہ تقسیم سے پہلے جائز نہیں ہے جب کہ ایسا مشاع جو قابلِ تقسیم ہی نہ ہو اُس کا ہبہ جائز ہے۔

---

❶ تنویر الأبصارِ مع شرحه الدّر المختار، کتابُ الْهِبةِ، ص ٥٦١
❷ حاشیة چلپی علی شرح الوقایة، کتاب الهبة، ٢ / ١٣٨
❸ مظهر بوسنوی شرح ملتقی، کتاب الهبة، تحت قوله: و بعده لابدّ، ق٢٩٧ / ألف، مخطوط

چنانچہ امام علاؤالدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں: فَلا تَجوز هبة المشاعِ فيما يُقسَّم وتجوزُ فيما لايُقسَّم. ❶

یعنی، مشاع قابلِ تقسیم کا ہبہ تقسیم سے پہلے جائز نہیں اور ناقابلِ تقسیم کا ہبہ جائز ہے۔

اور علّامہ یوسف بن حُسین کرمانی حنفی متوفی ۹۰۶ھ لکھتے ہیں: شَرطها أنْ يكونَ الْموهوب مَقسومًا مُحَوَّزا. ❷

یعنی، ہبہ کی شرط یہ ہے کہ موہوب (گفٹ کی جانے والی چیز) تقسیم شُدہ اور غیر کی ملکیت سے جُدا ہو۔

اور علّامہ کرمانی مزید لکھتے ہیں: نَعني بالمحوّز أن يكون مفرَّغا عَن أملاك الواهبِ وحقوقِه. ❸

یعنی، محوّز سے ہماری مراد یہ ہے کہ موہوب واہب کی ملکیت اور اُس کے حُقوق سے فارغ ہو۔

اور علّامہ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ اور علّامہ بوسنوی نعمان زادہ لکھتے ہیں: (لَا) أيْ لايصحّ هبة (مَايحتمِلها) أي القِسمة (فإن

---

❶ بدائع الصنائع، کتاب الهبة، فصل فيما شرائطها، ۸/ ۹۶

❷ اَلْجِمايَة في شرح وِقايَةِ الرِّوايَة، كتابُ الْهبة، ص ۴۸۵، مخطوط مصوّر

❸ اَلْجِمايَة في شرح وِقايَةِ الرِّوايَة، كتابُ الْهبَةِ، ص ۴۸۷، مخطوط مُصوَّر

قسم وَسَلم صح) لأنّ تمامَ الهبة بِالقبض. ❶

یعنی، جو چیز تقسیم کا احتمال رکھتی ہو اُس کا ہبہ درست نہیں، اور اگر اُسے تقسیم کر دیا، تو درست ہے؛ کیونکہ ہبہ کا مکمل ہونا قبضہ کے ساتھ ہے۔

اِسی طرح امامِ اہلسنت لکھتے ہیں: شے مشترکہ صالحِ تقسیم کا ہبہ قبلِ تقسیم ہر گز صحیح نہیں اور اگر یوں ہی مشاعًا یعنی بے تقسیم موہوب لہ کو قبضہ بھی دے دیا جائے، تاہم وہ شے بدستور ملکِ واہب پر رہتی ہے، موہوب لہ کا اصلاً کوئی استحقاق اِس میں ثابت نہیں ہوتا، نہ وہ ہر گز بذریعہ ہبہ اُس کا مالک ہو سکے، جب تک واہب تقسیم کر کے خاص جزءِ موہوب معیّن محدود وممتاز جُداگانہ پر قبضۂ کاملہ نہ دے، یہاں تک کہ ایسے قبضۂ ناقصہ کے بعد بھی اگر موہوب لہ اُس شے میں بیع وغیرہ کوئی تصرف کرے محض باطل و ناقابلِ نفاذ ہے اور واہب کے سب تصرّفات جیسے قبلِ ہبہ نافذ تھے اب بھی بدستور تام و نافذ ہیں۔ یہی حق و صحیح معتمد ہے اور اِسی پر تعویل واعتماد لازم۔ ❷

اور کسی کو بتائے بغیر اُس کا گھر اپنے نام کروالینا، اُس کی ملکیت میں ناحق تصرف کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

چنانچہ علّامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں: لایجوز التصرّف في مَال

---

❶ ملتقی الأبحر مع شرحه مظهر بوسنوی، کتاب الهبة، ق۲۹۷/ ب، مخطوط مصور

❷ فتاویٰ رضویہ، کتاب الحبہ، ۱۹/ ۲۳۱

غَیرہ بلاإذنه ولا وِلایته. ❶

یعنی، کسی دوسرے کے مال میں اُس کی اجازت اور ولایت کے بغیر تصرُّف کرنا، جائز نہیں ہے۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب

۳۰شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ، ۲۹جون، ۲۰۱۴م JIA:1236

تین بیٹوں اور ایک بیٹی میں تقسیم ترکہ

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ کسی کی جائیداد یا والدین کا بچا ہوا اَثاثہ جبکہ حق داروں میں تین بیٹے اور ایک بیٹی ہو تو کس طرح تقسیم ہوگی؟ نیز بھتیجی یا بھانجی اُس میں حصّہ دار ہیں یا نہیں؟

(سائلہ: ثمینہ آصف، موسیٰ لین، کراچی)

باسمه تعالیٰ و تقدّس الجواب: صُورتِ مسئولہ میں بر تقدیرِ صدقِ سائل وانحصارِ وُرثاء در مذکورین بعد اُمورِ ثلاثہ متقدمہ علی الإرث (یعنی کفن دفن کے تمام اخراجات اور اگر مرحوم کے ذمّہ قرض ہو تو اُس کی ادائیگی اور غیر وارث کے لئے وصیّت کی ہو تو تہائی مال سے اُسے پورا کرنے کے بعد) کُل جائیدادِ منقولہ وغیر منقولہ سات حصّوں پر تقسیم ہوگی، جس میں سے ہر بیٹے کو دو، دو حصّے اور بیٹی کو ایک حصّہ ملے گا۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ. ❷

---

❶ الدّر المختار شرح تنویر الأبصار، کتابُ الغَصبِ، تحت قوله: کسر الغاصب الخشب، ص ٦١٧

❷ النساء: ٤/ ١١

ترجمہ: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصّہ دو بیٹیوں برابر۔ (کنزالایمان)

اور بھتیجی اور بھانجی کو کچھ نہیں ملے گا ہاں اگر کوئی عاقل بالغ وارث اپنے حصّے سے کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے اور اسی طرح اگر تمام ورثاء عاقل بالغ ہوں اور وہ متفقہ طور پر مشترکہ جائیداد میں سے کچھ حصّہ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔

صُورۃ المسئلۃ ھٰکذا

المسئلۃ من ۷

المیــــــــــــــــــــــــــــــت

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی
۲	۲	۲	۱

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یوم الأربعاء، ۲۵/ ذو القعدۃ، ۱۴۲۳ھ-۲۹/ جنوری، ۲۰۰۳م JIA-401

اُستاد کا بلند مقام پر بیٹھ کر پڑھانے کا حکم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں عُلمائے دین و مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ جہاں قرآن پاک کی تفسیر بیان کی جارہی ہو اور ترجمہ بھی بتایا جارہا ہو اور بیان کرنے والی اونچی جگہ اور سننے والیاں نیچے بیٹھی ہوں نیز سننے والیوں کے ہاتھ میں مصحف بھی ہوں تو کیا مُدرِّسہ کا اونچی جگہ بیٹھ کر تدریسِ تفسیر میں کوئی حرج ہے؟ اگر حَرج ہو تو راہنمائی فرمائیے کہ اِس مسئلہ کے حل کے لئے کیا کیا جائے؟ کیونکہ مُدرِّسہ اگر نیچے بیٹھے تو سب کو آواز پہنچنا دشوار ہے اور ایک ڈیڑھ گھنٹہ کھڑے رہنا بھی اُس کے لئے ایک مشکل امر ہے۔ برائے کرم اِس گتھی کو حل فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

(سائلہ: بنت محمد فاروق، کراچی)

باسمه تعالیٰ وتقدّس الجواب: امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا کہ "بعض عُلماء چار پائی پر لیٹے یا بیٹھے ہوتے ہیں اور لڑکے کتابیں لئے ہوئے جن میں بسم اللہ شریف ودیگر آیاتِ قرآنیہ ہوتی ہیں نیچے چٹائی پر بیٹھے رہتے ہیں۔ پس یہ فعل کیسا ہے؟" آپ نے جواب میں لکھا: ہمارے عُلماء تصریح فرماتے ہیں کہ نفسِ حروف قابلِ ادب ہیں اگرچہ جُدا، جُدا لکھے ہوں جیسے تختی یا وصلی پر خواہ اُن میں کوئی بُرا نام لکھا ہو جیسے فرعون، ابو جہل وغیر ھما، تاہم حُروفوں کی تعظیم کی جائے اگرچہ اُن کافروں کا نام لائق اہانت و تذلیل ہے۔ فی الهندية❶: إذا كُتب اسمُ فرعونَ أو كُتبَ أبو جهلٍ على غرضٍ يُكره أنْ يّرموا إليه لأنّ لِتلك الحروفِ حرمةٌ كذا في "السّراجية"❷ یعنی، "فتاوٰی ہندیہ میں ہے جب فرعون اور ابو جہل وغیرہ کے نام کسی غرض کے لئے لکھے جائیں تو مکروہ ہے کہ انھیں کہیں پھینک دیں اِس لئے کہ اِن حُروف کی عزّت وتوقیر ہے جیسا کہ "سراجیہ" میں مذکور ہے اور تصریح فرماتے ہیں کہ کتاب پر دَوات رکھنا منع ہے مگر جب لکھتے وقت ضرورت ہو۔ في الدّرّ المختار❸: يُكره وضعُ المِقْلَمَة على الكتاب إلّا للكتابة اھ ملخصا، في ردّ المحتار❹: (قوله إلّا للكِتابة) الظّاهر أنّ ذٰلك عند الحَاجة إلىٰ الوضع-اِھ

یعنی، "درمختار" میں ہے کتاب پر دَوات رکھنا مکروہ ہے مگر جبکہ لکھنے کی

---

❶ الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد و القبلة و المصحف... إلخ، ١/ ٣٢٣

❷ الفتاوىٰ السراجية، كتاب الكراهية، باب المتفرقات، ص٧٦

❸ الدُّر المختار، كتاب الطّهارة، أركان الوضوء أربعة، تحت قوله: وَالتّفسير كمصحف لا الكتب الشرعيّة، ص ٣٠

❹ ردّ المحتار على الدُّر المختار، كتاب الطّهارة، مطلب: يطلق الدُّعاء على ما يشمل الثناء، ١/ ٣٥٤

حاجت ہو تو اُس وقت ایسا کرنا جائز ہے۔ ''ردُّالمحتار'' میں مُصنّفِ ''درمختار'' کے قول ''إلّا للكتابة'' کے ذیل میں فرمایاظاہر یہ ہے کہ جب تک رکھنے کی ضرورت ہو اُس وقت تک اجازت ہے اور تصریح فرماتے ہیں کہ اگر کسی صندوق یا الماری میں کتابیں رکھی ہوں تو ادب یہ ہے کہ اُس کے اوپر کپڑے نہ رکھے جائیں۔في العالمگیریة[1]: حانوتٌ أو تابوتٌ فيه كتبٌ فالأدب أن لا يَضع الثّياب فوقه۔یعنی، عالمگیری میں ہے: کسی صندوق یا الماری میں کتابیں رکھی ہوں تو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اُن پر کپڑے نہ رکھے۔ تو کیونکر ادب ہو گا کہ کتابیں نیچے رکھی ہوں اور آپ اوپر بیٹھیں، کیا ایسے لوگوں کو بے ادبی کی شامت سے خوف نہیں، حروفِ تہجی خود کلام اللہ ہیں کہ ہود علیہ السّلام پر نازل ہوئے۔[2]

جب عام کُتُب کے ادب کا حکم اِس قدر ہے تو کُتُبِ احادیث و تفاسیر اور پھر قرآن کا ادب کس قدر ہو گا۔ لہٰذا ادب اِسی میں ہے کہ ایسی صُورت میں بیان کرنے والی صوفے وغیرہ یا اُس کی مثل کسی اونچی جگہ پر نہ بیٹھے۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

۱۹/ رجب المرجب، ۱٤۲۲ھ-۱۷/ اکتوبر، ۲۰۰۱م JIA-144

---

[1] الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد و القبلة و المصحف إلخ، ٥/ ٣٢٤

[2] فتاویٰ رضویہ، کتاب الحظر والاباحۃ، آداب مجلس وعظ، مسجد، قبلہ، ۲۳/ ۳۳۵ـ۳۳۷

ماخذ و مراجع

1. **أبو المكارم شرح مختصر الوقاية** للعلّامة أبي المكارم عبدالكريم بن عبدالله الصباغي الحنفي (ت٧٠٩هـ)، مخطوط مُصوّر
2. **الاختيار لتعليل المختار** للعلّامة عبدالله بن محمود الموصلي الحنفي (ت٦٨٣هـ)، مطبوعة: دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثانيه ١٤٢٣هـ. ٢٠٠٢م
3. الإزميري على الأشباه والنّظائر، للعلّامة محمد بن علي إزميري الحنفي (ت١١٦٥هـ)، مطبوعة: دار النّور المبين، القاهرة
4. **الأمالي** للإمام محمّد بن حسن الشيباني الحنفي (ت١٨٩هـ)، مطبوعة: دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد الدّكن، الطبعة ١٣٦٠هـ)
5. **التفسيرات الأحمدية** للعلّامة أحمد بن سعيد مُلّاجيون الحنفي (ت١١٣٠ هـ)، مطبوعة: مدينة ببلشرز، بشاور)
6. (**الجوهرة النيرة** للعلّامة أبي بكر بن علي الحدّادي الحنفي (ت٨٠٠هـ)، مطبوعة: دار الكتب العلميّة، بيروت، الطّبعة الأولى ١٤٢٧هـ. ٢٠٠٦م)
7. **الدّرّ المنتقى في شرح الملتقى** للعلّامة علاؤ الدّين محمّد بن علي الحصكفي الحنفي (ت١٠٨٨هـ) مطبوعة: دار الكتب العلميّة، بيروت، الطّبعة الأولى ١٤١٩هـ-١٩٩٨م).
8. **السّراج الوهّاج** للإمام أبي بكر بن علي الحنفي المعروف بالحدّادي العبادي (ت٨٠٠هـ)، مخطوط مصوّر
9. **الفتاوىٰ الخيرية على هامش تنقيح الفتاوىٰ الحامدية** للعلّامة خير الدين بن أحمد الأيوبي الرّملي الحنفي (ت١٠٨١هـ)، مطبوعة: مكتبة حقانية، بشاور
10. **الفتاوىٰ السلطانية** للعلّامة محمد سلطان جان المسعودي الحنفي، مخطوط مصوّر
11. **الفقه الإسلامي وأدلّته** للعلّامة الدكتور وهبة زحيلي الحنفي (ت١٤٣٦هـ)،

مطبوعة:دار الفكر،الطبعة الرابعة
12. **القُنية المنية**للعلّامةأبي الرّجاءنجم الدين مختاربن محمدالزّاهدى الحنفى (ت٦٥٨ھ)،مخطوط مصوّر
13. **الكافى** للشيخ الإمام أبي البركات عبد الله بن أحمد بن محمود المعروف بحافظ الدين النسفى (ت٧١٠ھ)،مخطوط مصوّر
14. **المحيط الرضوى** للعلّامةرضى الدين محمّدبن محمد السرخسى الحنفى (ت٥٧١ھ)،مطبوعة: دارالكتب،بشاور
15. **المُصنّف لابن أبي شيبة**للعلّامةأبي بكرعبدالله بن محمدأبي شيبةالكوفى (ت٢٣٥ھ)، مطبوعة:دار قرطبة،بيروت،١٤٢٨ھ-٢٠٠٧م
16. **المعادل شرح ملتقى الأبحر**للعلّامةعبدالرحيم بن ابوبكرمرعشى الحنفى (ت١١٤٩ھ)، مخطوط مصوّر
18. **الملتقط فى الفتاوىٰ الحنفية** للعلّامةناصرالدين أبي القاسم محمدبن يوسف الحسينى السمرقندى الحنفى(ت٥٥٦ھ)،مطبوعة:دار الكتب العلميّة، بيروت، الطّبعة الأولىٰ١٤٢٠ھ. ٢٠٠٠م
19. **المنهاج فى فقه الحنفية** للعلّامةشرف الدين أبي حفص عمربن محمدأنصارى عقيلى البخارى الحنفى(٥٧٦ھ)،ضبط متنه واعتنى به: عمر مصطفى أحمدإبراهيم
20. **النقاية**لصدرالشّريعة عبيدالله بن مسعودالمحبوبى الحنفى (ت٧٤٧ھ)، مطبوعة:إيچ إيم سعيد كمبنى،كراتشى
21. **النهايةشرح الهداية** للعلّامة حسام الدين حسين بن على سغناقى الحنفى (ت٧١٤ھ)، مطبوعة:المملكة السعودية،وزارة التعليم جامعة أمّ القرىٰ
22. **النّهر الفائق شرح كنز الدّقائق** للسراج الدين عمربن إبراهيم ابنِ نجيم المصرى الحنفى (ت١٠٠٥)،مطبوعة:دار الكتب العلمية، الطبعة الاولىٰ ١٤٢٢ھ-٢٠٠٢م
23. **الهداية فى شرح بداية المبتدى** لشيخ الإسلام برهان الدين على بن أبي بكر المرغينانى الحنفى (ت٥٩٣ھ)،مطبوعة:دار الأرقم،بيروت
24. **الوّافى** لحفاظ الدّين أبي البركات عبدالله بن أحمد النسفى الحنفى (ت٧١٠ھ)،مخطوط مصوّر)
25. **أوضح رمزعلىٰ نظم الكنز** للعلّامةعلى بن محمد ابنِ غانم المقدسى الحنفى (ت١٠٠٤ھ)، مخطوط مصوّر

26. **بہارِشریعت** لصدر الشریعة محمد أمجد علی الأعظمی الحنفی (ت١٣٦٧هـ)،مطبوعة:مکتبة المدینة،کراتشی،سنۃ الطباعة:١٤٣٥هـ.٢٠١٤م

27. **تحفة الفُقهاء** للعلّامةعلاؤالدین أبی بکر محمّد بن أحمد السمرقندی (ت٥٤٠هـ)،مطبوعة: دار الفکر،بیروت،الطبعة ١٤٢٢هـ. ٢٠٠٢م

28. **تفسیرالمجاهد** لأبی الحجاج مجاهد بن جبر مخزومی (ت١٠٤هـ)، مطبوعة:دارالفکر الإسلامی،مصر،الطبعة الأولیٰ١٤١٠هـ.١٩٨٩م

29. **تفسیر المظهری** للقاضی ثناءالله المظهری العثمانی الحنفی(ت١٢٢٥هـ)،مطبوعة:دار إحیاء التُراث العربی، بیروت،الطّبعة الأولیٰ ١٤٢٥هـ-٢٠٠٤م

30. **تفسیر النّسفی** لحافظ الدین أبی البرکات عبدالله بن محمود النسفی الحنفی (ت٧١٠هـ)، مطبوعة:دار الفکر،بیروت

31. **تفسیرِ نورالعرفان** للمفتی أحمدیارخان النعیمی الحنفی(ت١٣٩١هـ)، نعیمی کُتُب خانه ، غجرات

32. **تفسیرتُستری** للعلّامةأبی محمّدسهل بن عبدالله تُستری الحنفی (ت٢٨٣هـ)، مطبوعة:دار الکتب العلمیّة،بیروت،القّبعة الأولیٰ ١٤٢٣هـ

33. **جدّ الممتارعلیٰ ردّ المحتار** لإمام أهل السُنّة الحاج الحافظ القاری الشّاه أحمد رضا خان الحنفی (ت١٣٤٠هـ)،مطبوعة:دار أهل السُنّة

34. **جواهر الفتاویٰ** للعلّامةمحمدبن عبد الرشیدکرمانی الحنفی(ت٥٦٥هـ)، مطبوعة:دار المعراج،دمشق،الطبعة الأولیٰ ١٤٤١هـ. ٢٠٢٠م

35. **حاشیة السِّندی علیٰ هامش سُنَن ابن ماجة** للعلّامةأبی الحسن کبیرمحمدبن عبدالهادی السندی الحنفی(ت١١٣٨هـ)،مطبوعة:دار الکتب العلمیّة، بیروت،القّبعة الأولیٰ ١٤١٩هـ-١٩٩٨م

36. **حاشیة الشّیخ محمّد علی الرّافعی علی هامِش الأشباه والنظائر** للعلّامةمحمّدعلی رافعی الحنفی،مطبوعة:إیج إیم سعید کمبنی، کراتشی

37. **حاشیة الشّیخ محمّد علی الرافعی علیٰ هامِش الأشباه والنّظائرللعلّامة** محمدعلی رافعی الحنفی،مطبوعة:إیج إیم سعید کمبنی، کراتشی

38. **حاشیة الصّاوی علیٰ تفسیر الجلالین** للعلّامة أحمد بن محمّد الصاوی

المالکی(ت۱۲٤۱ھ)، مطبوعة:دار الفکر،بیروت، الطّبعة الأولیٰ ۱٤۱۹ ھ-۱۹۹۸م
39. **حاشیة چلپی علیٰ شرح الوقایة** للعلّامةفقیه أخی چَلپی یوسف بن جنید توقانی الحنفی (ت۹۰٥ھ)،مخطوط مصوّر
40. **خزائن العرفان** للسیّدنعیم الدین مرادآبادی الحنفی(ت۱۳٦۷ھ)، مطبوعة:ضیاء القرآن، لاهور
41. **رمز الحقائق شرح القدوری** للعلّامةبدرالدین محمود بن أحمد العینی الحنفی(ت۸٥٥ھ)،مطبوعة:إدارة القرآن،کراتشی،الطبعة الأولیٰ۱٤۲٤ھ. ۲۰۰٤م
42. **سراجُ الظَّلامِ وبَدرُ التَّمامِ فی عِلْمِ الفِقْهِ** للإمام أبی بکر بن علی الحنفی المعروف بالحدّادی العبادی(ت۸۰۰ھ)،مخطوط مُصوّر
43. **سُنَن أبی داوٗد** للإمام أبی داوٗد سلیمان بن أشعث(ت ۲۷٥ھ)، مطبوعة: دار ابن حزم، بیروت،الطبعة الأولیٰ۱٤۱۸ھ-۱۹۹۷م)
44. **سُنَن الدّارقطنی** للإمام أبی الحسن علی بن عُمر دارقطنی (ت۳۸٥ھ)، مطبوعة:دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعةالأولیٰ ۱٤۱۷ ھ- ۱۹۹٦م
45. **شرح الأشباہ و النظائر** للعلّامةمحمّد سُنبل زاده مرعشی الحنفی،مخطوط مصوّر
46. **شرح الزّیادات** للعلّامةالفقیه حسن بن منصورأوزجندی الحنفی (ت٥۹۲ھ)، مطبوعة:دار إحیاءالتراث العربی،بیروت
47. **عُمدة ذَوی الألباب والبصائرلحلّ المبہمات الأشباہ والنّظائر** لمفتی المکّه العلّامه ابراهیم بن حسین بن محمدبیری زاده حنفی متوفی ۱۰۹۹ھ،مخطوط مصوّر
48. **فتاویٰ الحانوتی** للإمام محمّدبن عمر الحانوتی الحنفی (ت۱۰۱۰ھ)، مخطوط مصوّر
49. **فتاویٰ أمجدیّة** لصدرالشریعة محمّد أمجدعلی أعظمی الحنفی (ت۱۳٦۷ھ)، مطبوعة:مکتبه رضویة،آرام باغ، کراتشی،سنّ الطباعة:۱٤٤۱ھ-۲۰۰۹م
50. **فتاویٰ خلیلیة** للمفتی محمدخلیل خان القادری الحنفی(ت۱٤۰٥ھ) مطبوعة: ضیاءالقرآن، لاهور،سنّ الطباعة:۲۰۰۸م
51. **فتح باب العنایة شرح النقایة**للعلّامة نورالدّین علی بن سلطان القاری الحنفی (ت۱۰۱٤ھ) ،مطبوعة:ایج ایم سعیدکمبنی

52. **فوائد عارفیة علیٰ شرح الوقایة** للعلّامة مهدی الحنفی، مخطوط مُصوّر
53. **کشف الرمز عن خبایا الکنز شرح کنز الدقائق** للعلّامة سیّد أحمد بن محمّد الحموی الحنفی (ت١٠٩٨هـ)، مخطوط مصوّر
54. **مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر** للعلّامة عبدالرحمن بن محمّد کلیبولی الحنفی (ت١٠٧٨هـ)، دار الکتب العلمیّة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٩هـ. ١٩٩٨م
55. **مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح** للعلّامة أبی الإخلاص حسن بن عمّار بن یوسف الوفائی المصری الشرنبلالی الحنفی (ت١٠٦٩هـ)، مطبوعة: دار الکتب العلمیّة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٥هـ -١٩٩٥م
56. **مظهر بوسنوی شرح ملتقی الأبحر** للعلّامة عثمان بن علی مظهر بوسنوی نعمان زاده الحنفی، مخطوط مصوّر
57. **معراج الدرایة شرح الهدایة** للعلّامة قوام الدّین محمّد بن محمّد کاکی الحنفی (ت٧٤٩هـ)، مخطوط مصوّر
58. **ملتقی الأبحر** للعلّامة إبراهیم بن محمد بن ابراهیم حلبی حنفی متوفی ٩٥٦هـ، مطبوعة: دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٩هـ-١٩٩٨ م
59. **نور الإیضاح** للعلّامة أبی الإخلاص حسن بن عمّار بن یوسف الوفائی المصری الشرنبلالی الحنفی (ت١٠٦٩هـ)، مطبوعة: مکتبة برکات المدینه، کراتشی
60. وقار الفتاویٰ للمفتی الأعظم باکستان المفتی محمد وقار الدین الحنفی القادری (ت ١٤١٣هـ)، مطبوعة: بزم وقار الدین، کراتشی، طبعة: ١٤١٩هـ- ١٩٩٨م
61. **فتاوی فیض الرسول** للمفتی جلال الدین أحمد الأمجدی الحنفی (ت١٤٢٢هـ)، مطبوعة: شبیر برادرز، لاهور، سنّ الطباعة: ١٤١١هـ. ١٩٩٢م
62. **الأشباه والنظائر** للعلّامة الشیخ زین الدین بن إبراهیم بن محمّد بن بکر المعروف بابن نجیم المصری الحنفی (ت٩٧٠هـ)، مطبوعة: دار الکتب العلمیّة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٣هـ-١٩٩٣م
63. **البنایة شرح الهدایة** للعلّامة بدر الدین محمود بن أحمد العینی الحنفی (ت٨٥٥هـ)، مطبوعة: دار الکتب العلمیّة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٠هـ. ٢٠٠٠م
64. **الجامع الصغیر** للإمام محمّد بن حسن الشیبانی الحنفی (ت١٨٩هـ)، مطبوعة: دار ابن حزم، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٣٢هـ-٢٠١١م

65. **العنایةشرح الهدایة**للعلّامةأکمل الدین محمّدبن محمّد بابرتی الحنفی (ت٧٨٦ھ)،مطبوعة:دار الکُتب العلمیّة،بیروت،الطبعة الأولیٰ ١٤٢٨ھ.٢٠٠٧م

66. **الفتاوی البزّازیة علی هامش الهندیة** للشیخ الإمام حافظ الدین محمد بن محمد بن شهاب المعروف بابن البزار الکردری الحنفی(ت٨٢٧ھ)، مطبوعة: دارالمعرفة، بیروت،الطبعةالثالثة١٣٩٣ھ-١٩٧٣م

67. **الفتاویٰ التاتارخانیة** للإمام الفقیه عالم بن علاء الأندربتی الحنفی (ت٧٨٦ھ)،مطبوعة:مکتبة فاروقیة،کوئتة،الطّبعة الأولیٰ ١٤٣١ھ.٢٠٠٠م

68. **الفتاویٰ السّراجیة** للعلّامة سراج الدین علی بن عثمان بن محمد التیمی الأوشی الفرغانی الحنفی (ت٥٦٩ھ)،مطبوعة:میر محمد کتب خانه،کراتشی

69. **الفتاویٰ الولوالجیة** للعلّامةأبی الفتح ظهیرالدین بن عبدالرزّاق الوَلوَالجی الحنفی(متوفی بعد ٥٤٠ھ)،مطبوعة:دار الکتب العلمیة،بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٤ھ.٢٠٠٣م

70. **الکفایة علی الهدایة**للعلّامةجلال الدّین بن شمس الدّین الخوارزمی الحنفی (ت٧٦٧ھ)،مطبوعة:دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ١٤٤١ھ-٢٠١٩م

71. **تبصیر الأنواروجامع الأسرارشرح تنویرالأبصار**للعلّامة محمدبن ابی بکربروسی الحنفی، مخطوط مصوّر

72. **تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق** للإمام فخر الدین أبی محمد عثمان بن علی بن محجن بن یونس الزیلعی الحنفی(ت٧٤٣ھ)،مطبوعة:دار الکتب العلمیة، بیروت،الطبعةالأولیٰ١٤٢٠ھ. ٢٠٠٠م

73. **تقریرات الرّافعی علیٰ هامش ردّ المحتار** للعلّامةعبدالقادر الرافعی (ت١٣١٢ھ)، مطبوعة:دار المعرفة،بیروت،الطبعة الأولیٰ ١٤٢١ھ–٢٠٠٠م

74. **تنویر الأبصار** للشیخ محمد بن عبد الله بن أحمد الغزی الحنفی التمرتاشی (ت١٠٠٤ھ)، مطبوعة:دار الکتب العلمیة،بیروت،الطبعة الأولیٰ ١٤٢٣ھ. ٢٠٠٢م

75. **خزانة الفتاویٰ** للعلّامةأحمدبن محمدبن أبی بکرالحنفی(ت٥٢٢ھ)، مخطوط مصوّر

76. **سُنَن ابن ماجة** للإمام المحدث أبی عبد الله محمد بن یزید القزوینی (ت٢٧٣ھ)،مطبوعة: دار الکتب العلمیة،بیروت، الطبعة الأولیٰ١٤١٩ھ. ١٩٩٨م

77. **سُنَن الترمذی** للإمام أبی عیسی محمد بن عیسی بن سورة الترمذی (ت٢٧٩ھ)، مطبوعة: دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢١ھ-٢٠٠٠م

78. **صحیح البخاری** للإمام الحافظ أبی عبد الله محمد بن إسماعیل البخاری (ت٢٥٦ھ) مطبوعة: دار الکتب العلمیّة، بیروت، ١٤٢٠ھ.١٩٩٩م

79. **صحیح مسلم** للإمام مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری (ت٢٦١ھ)، مطبوعة: دار إحیاء التراث العربی، بیروت

80. **عمدة القاری شرح صحیح البخاری** للعلّامة بدر الدین محمود بن أحمد العینی الحنفی (ت٨٥٥ھ)، مطبوعة: دار الفکر، بیروت، الطّبعة الأولیٰ ١٤١٨ھ. ١٩٩٨م

81. **فتاویٰ قاضیخان علیٰ هامش الهندیّة** للإمام فخر الدین حسن بن منصور الأوزجندی الفرغانی الحنفی (ت٥٩٢ھ)، مطبوعة: دار المعرفة، بیروت، الطبعة الثالثة ١٣٩٣ھ.١٩٧٣م

82. **فتح القدیر** للعلّامة کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید بن مسعود السیواسی ثم السکندری المعروف بابن الهمام (ت٨٦١ھ)، مطبوعة: دار إحیاء التراث العربی، بیروت

83. **کنز الدّقائق** للشیخ الحافظ الدین أبی البرکات عبد الله بن أحمد بن محمود النسفی الحنفی (ت٧١٠ھ)، مطبوعة: دار البشائر الإسلامیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٣٢ھ.٢٠١١م

84. **الأشباه والنظائر** للعلّامة الشیخ زین الدین بن إبراهیم بن محمّد بن بکر المعروف بابن نجیم المصری الحنفی (ت٩٧٠ھ)، مطبوعة: دار الکتب العلمیّة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤١٣ھ-١٩٩٣م

85. **البحر الرائق شرح کنز الدقائق** للعلّامة الشیخ زین الدین بن إبراهیم بن محمد بن بکر ابن نجیم المصری الحنفی (ت٩٧٠ھ)، مطبوعة: دار الکتب العلمیة، بیروت، الطّبعة الأولیٰ ١٤١٨ھ. ١٩٩٧م

86. **الدر المختار شرح تنویر الأبصار** للعلّامة علاؤ الدین محمد بن علی الحصکفی الحنفی (ت١٠٨٨ھ)، مطبوعة: دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولیٰ ١٤٢٣ھ.٢٠٠٢م

87. **الفتاویٰ الهندیة** للشیخ نظام الدین الحنفی (ت١٠٩٢ھ) و جماعة من عُلماء الهند، مطبوعة: دار الکتب العلمیّة، بیروت، الطّبعة الثالثة ١٣٩٣ھ-١٩٧٣م

88. **المحیط البرهانی** للإمام برهان الدین أبی المعالی محمود بن أحمد بن عبد العزیز بن عمر

البخاری الحنفی المعروف بابن مازة (ت٦١٦ھ)،مطبوعة:دارالکتب العلمية،بيروت،الطبعة الأولی١٤٢٤ھ. ٢٠٠٤/ مطبوعة:إدارة القرآن، کراتشی

89. **المستصفیٰ شرح الفقه النافع** لحافظ الدين عبدالله بن أحمد النسفی الحنفی (ت٧١٠ھ)، مطبوعة:دارالمنهاج القويم،الطبعة الأولی١٤٤٦ھ.٢٠٢٥م

90. **ردّ المحتار علی الدّرالمختار** للإمام الفقيه العلّامة السيد محمد أمين بن عمر عابدين الشامی الحنفی (ت ١٢٥٢ھ)،مطبوعة:دار المعرفة،بيروت،الطبعة الأولی١٤٢٠ھ. ٢٠٠٠م

91. **مُستحسن الطّرائق فی نظم کنزالدّقائق** للعلّامة فخرالدين أبی طالب أحمدبن علی همدانی ابن فصيح الکوفی الحنفی(ت٧٥٥ھ)،مخطوط مصوّر

92. **معيار الحقائق شرح کنزالدقائق** للعلّامةضياءالدين محمد الحسينی الحنفی،مطبعةالقادری، لاهور

93. **بدائع الصّنائع** للإمام علاء الدّين أبی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی (ت٥٨٧ھ)،مطبوعة:دار الکتب العلميّة،بيروت، الطبعةالأولی١٤١٨ھ.١٩٩٧م

94. **تنقيح الفتاویٰ الحامديّة(العقود الدّرية فی تنقيح الفتاوی الحامديّة)** للإمام الهمام الفقيه العلّامة السيّد محمّد أمين بن عمر عابدين الشامی الحنفی (ت١٢٥٢ھ)، مطبوعة:مکتبة حقانية،بشاور، پاکستان

95. **الفتاویٰ الأسعديّة فی فقه الحنفيّة** للسيّدأسعدبن أبی بکرآفندی الحنفی(ت١١١٤ھ)، مطبوعة:دار الفارابی،الطّبعة الأولی١٤٢٠ھ–٢٠٠٨م

96. **الفقه النافع** للعلّامة أبی القاسم محمدبن يوسف السمرقندی الحنفی(ت٥٥٦ھ)،الناشر: وزارة التعليم جامعةأمّ القریٰ،السّعوديّة

97. **مختصر القدوری** للإمام أبی الحسين أحمد بن محمد بن أحمد بن جعفر بن حمدان القدوری البغدادی الحنفی(ت٤٢٨ھ)،مطبوعة:دار الکتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولی١٤١٨ھ-١٩٩٧م

98. **العطايا النبويّة فی الفتاویٰ الرضويّة** لإمام أهل السُّنة الحاج الحافِظ القاری الشّاه أحمد رضا خان الحنفی(ت١٣٤٠ھ)، مطبوعہ:رضافاؤنڈیشن ،لاهور، طبعة:١٤٢٧ھ ٢٠٠٦م)

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان

کی ایک دلکش کاوش

شانِ الوہیت و تقدیسِ رسالت کا امین

کوثر و تسنیم سے دھلے الفاظ، مشک و عنبر سے مہکا آہنگ

عشق و ادب کی حلاوتوں کا ماخذ

ترجمہ قرآن

کنز الایمان

از

اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت امام احمد رضا علیہ الرحمہ

اب پشتو زبان میں دستیاب ہے